جمعہ ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء مطابق ۱۶ جمادی الاول ۱۳۶۵ ہجری
ایڈیٹر نسیم سندیلوی
فی پرچہ ۴ر

راز مستقبل

از خطبۂ ہند سیدہ اختر، صدر آل انڈیا زنانہ مسلم لیگ

جس میں قدم قدم پہ جہانِ خطر نہیں
ہوگی کسی کی راہ، مری رہگذر نہیں

اختر مرے سوا یہ کسی کو خبر نہیں
ایسی بھی ایک شام ہے جس کی سحر نہیں

وہ شام ہے فشار غلامی کی ایک شام
جس کے نصیب میں کبھی نورِ سحر نہیں

صد حیف ایسی موت پہ جو زندگی نہ ہو
وہ زندگی ہی کیا ہے جو برق و شرر نہیں

جو ہر نظر کو دعوتِ ذوقِ نظر نہ دے
ہوگی سحر کسی کی، وہ میری سحر نہیں

لب پر مرے نوائے پریشاں تو ہیں مگر
افسوس تو یہ ہے کوئی آشفتہ سر نہیں

کیونکر اٹھے نہ عالم سیر نظر میں چاک
جلوے تو بے نقاب ہیں اہل نظر نہیں

منزل تو کیا ہے وصل منزل بھی ہے مگر
اے رہروانِ شوق کوئی راہبر نہیں

مستقبل حیات کی جس سے خبر ملے
اے اہل ہوش! تم میں وہ اک بے خبر نہیں

میری نظر ہے واقفِ مستقبل حیات
جو کچھ مجھے خبر ہے کسی کو خبر نہیں

اختر حوادثات بہاراں کو کیا کہوں
اہل چمن کو فکر نشیمن مگر نہیں

کوئی اسکیم جو بھی اس طرف سے اسکے لئے آئے گی مسترد کردیجائے گی

• سردار پٹیل نے اگر مفاہمت کے دروازے بند کردیئے ہیں تو مسلمان اب اسے اپنی قوت بازو اور غازیانہ عزائم سے اسطرح اکھاڑیں گا جیسے در خیبر۔

مسلمان دوسری جنگ کے اختتام پر جبکہ دنیا از سر نو منظم ہو رہی ہے اور حیات تازہ کے [illegible] بیداری اور نئی تڑپ کا منظر ہے بیدار ہوکر یہ دیکھنے لگا ہے کہ تیرہ راستہ کس طرف ہے اور راہبر کون ہے چنانچہ اس نے بڑی فہم و ادراک کو دخل دینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ ان حضرات کو اپنا قائد اور اپنا رہنما نہیں مانے گا جو مسلم افراد کی پھانسی اور اپنے [illegible] بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت دری دیکھکر اس سے روگردانی کرتے ہیں اور مسلمان کی جانب سے ذرا سی لغزش بھی ہو جائے تو وہ دشمنان دین کی جانب سے غلط بیانی اور پروپیگنڈہ یا اکھاڑ پچھاڑ کی کیوں نہ ہو جیسا علیگڑھ میں وقوع پذیر واردات اتنا اچھالتے ہیں کہ ذرہ سے تودۂ خاک کو پہاڑ سے موسوم کردیتے ہیں، دہلی کا سنگین کے حالیہ واقع کو جسمیں مسجد کی آتش زدگی وقوع میں آئی ——— امرادہ خاں کو متاثر ہوئی ضلع مراد آباد میں دوقتل کے واردات، بیس مسلم مجروح اور سولہ مسلم مکانات کو نذر آتش کیا گیا اور اسی قسم کے مسلم کش اور اسلام دشمن حرکات و افعال جو بدیدی کانگریس کی حکومت میں آئے دن ہوا کرتے ہیں، مسلمانوں کے رہنما بھی خواہ اور خون کے آنسو رونے والے مولانا آزاد، رفیع احمد قدوائی اور حافظ محمد ابراہیم جو قرآن پاک بغل میں لٹکائے ہوئے بمعہ تقویٰ و طہارت صوبائی الیکشن میں پولنگ بوتھ پر سرگردان پھر رہے تھے، خدا کا گھر جلتے ہوئے دیکھکر صدائے احتجاج اور ماتم پرسی کہاں سے کان پر جوں تک بھی رینگتی، حامل قرآن اور حافظ قرآن کریم جیسے صحیح معنوں میں اپنی قوم کی خدمت کرنی چاہیئے تھی گمراہی کے غار کی طرف اس تیز رفتاری سے خود جارہا ہے کہ حیات تازہ دور از قیاس سسکتی ہوئی زندگی بچتی نہیں دکھائی دیتی اور ساتھ ہی اپنی قوم کو بھی اپنے ہی راستہ پر کشاں کشاں رواں دواں کرنے کی دعوت دے رہا ہے مگر خدا نے مسلمانوں کو اس طوفان نوح سے محفوظ رکھنے کیلئے قائداعظم کو ہماری عافیت کیلئے ہر فرعونے را موسیٰ کے مصداق برقرار رکھا ہے۔

عورتوں کے امدادی محکمہ کی بدکاریاں

ہندوستانی عورتوں کے فوجی امدادی دستہ کو ڈبلیو۔اے۔سی۔آئی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس دستہ اعمال پر جو راز کا پردہ پڑا ہوا تھا، وہ اب رفتہ رفتہ اٹھ رہا ہے اور دنیا کو اس محکمہ کی اندرونی بے حیائیاں نظر آرہی ہیں۔ مرکزی اسمبلی کے حالیہ سشن میں اس مسئلہ پر بھی بحث ہوئی۔ اور بعض ان ہندوستانی عورتوں کے متعلق جو اس فوج میں تھیں انتہائی بے حیائی اور بے غیرتی کے واقعات سامنے لائے گئے۔

عورتوں کی اس فوج کے پوشیدہ واقعات چند سو عورتوں کی بدولت منظرعام پر آئے جبکہ ان عورتوں نے بالاعلان یہ ظاہر کیا کہ اس محکمہ میں رکھکر انہیں [illegible] اور [illegible] اخلاق [illegible] کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

ان عورتوں کا بیان ہے کہ یہ جنگی محکمہ اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ برطانوی اور امریکن فوج کے سپاہیوں کے لئے ہندوستان نیز بیرونجات میں ایک تفریحی ادارہ کا کام دے انھیں عورتوں کا یہ بھی بیان ہے کہ بلا برا ایسا ہوتا تھا کہ نوجوان لڑکیوں کو غیر ملکی فوجی مردوں کے ساتھ دوستی کرنے ان کے ساتھ مے نوشی کرنے اور رقص و سرود کیلئے بھیجا جاتا تھا۔ اس محکمہ کی عورتوں کو دور دراز ملکوں میں بھی صرف اسلئے روانہ کیا گیا ہے کہ وہ فوجی افسروں کی صحبت میں رہ کر انھیں خوش رکھیں اور انکی دلچسپی اور تفریح کا سبب ہوں، اکثر ان عورتوں کو فوجی بارکوں کے قریب رکھا گیا اور کبھی ایسا ہوا کہ جن عمارتوں میں انگریز فوجی رہتے تھے انھیں میں اس محکمہ کی عورتوں کو رکھا گیا

ان حالات کی وجہ سے متعدد واقعات ایسے ہوئے جنمیں عورتیں اغوا کی گئیں، زنا بالجبر، اسقاط حمل اور خودکشی کے حادثے ہوئے، ایسی بھی مثالیں ملیں گی جنمیں عورتوں کو مخفیہ امراض پیدا ہوئے۔

یہ جتنے بھی واقعات ہیں حکومت ہند کے لئے شرم کے قابل ہیں جو مدت سے اسکا پروپیگنڈہ کرتی رہی کہ عورتوں کو امدادی فوج کے محکمہ میں داخل ہونا چاہیئے اور انکو اچھی اچھی امیدیں دلاتی رہی کہ انکی زندگیاں بہتر ہوجائینگی لیکن جب عورتوں نے اسمیں قدم رکھا تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں انکی عزت و عصمت کا تحفظ غیر ممکنات میں سے ہے جو عورتیں اس محکمہ میں داخل ہوئیں انپر یہی الزام ہے کہ انکو جاننا چاہیئے تھا کہ اس محکمہ میں داخل ہوکر اپنی مغربی بہنوں کی تقلید کرنا ہوگی کیونکہ جن حالات میں یہ محکمہ قائم کیا گیا وہ خود مشتبہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ گورنمنٹ کو یہ محکمہ قائم کرنیکی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس محکمہ نے کونسی مفید خدمت انجام دی اس محکمہ نے جنگی مہم میں کسطرح مدد کی دنیا نے تو صرف یہی دیکھا کہ اس محکمہ کی عورتیں برطانوی افسروں کے ساتھ انکے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ناچ گھروں، قہوہ خانوں، سینماؤں اور شراب خانوں میں جارہی ہیں اگر خود یہ کام کوئی اہم جنگی خدمت تھی تو پھر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے پھر دوسرا سوال اس سے بھی اہم پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی قومی ضرورت کے لحاظ سے کوئی محکمہ ایسا کھولا جانا ضروری تھا تو کیا یہ بھی ضروری تھا کہ اسمیں عورتیں ہی بھرتی کی جائیں کیا مرد دستیاب نہ تھے۔ برطانیہ کیلئے تو ایک حد تک یہ بات تسلیم بھی کی جاسکتی ہے کہ وہاں مردوں کے میدان میں چلے جانیکے بعد وطن میں قومی ضروریات کو پورا کرنیکے لئے مرد ممکن نہ تھے اسلئے عورتوں کو بھرتی کرنا ضروری تھا یہی عذر تھوڑا بہت امریکہ کیلئے بھی مانا جاسکتا ہے لیکن ہندوستان کے لئے یہ عذر بھی نہیں چل سکتا کیونکہ مردوں کی خدمت یہاں بکثرت حاصل کیجاسکتی تھیں۔

بہرحال برطانیہ یا امریکہ کے عوام اس دوستانہ تعلقات پیدا کرنیکو کیسا ہی سمجھیں اور ان کے حب وطن کے جذبہ کو یہ امر کتنا ہی موزوں کیوں نہ ہو لیکن ہندوستانیوں کا اخلاقی معیار یقیناً ان سب سے بلند ہے اسلئے ان کی نظر میں عورت اور مرد کے درمیان ایسی دوستی پیدا کرنا انتہائی خلاف تہذیب و اخلاق ہے ——— ان حالات پر نظر کرتے ہوئے حکومت کا یہ فریضہ تھا کہ یہ محکمہ کھولتے وقت اس نے عورتوں میں یہ اعلان کردیا ہوتا کہ ان سے کس قسم کی خدمت لینا مقصود ہے تاکہ وہ بیچاری [illegible] [illegible] اور انکو اس قسم کی شکایات کا موقعہ نہیں ملتا اور نہ ملک [illegible]

[illegible]

"انسان"

رام پال - بی۔اے

تمھیں یہ سن کر حیرت ہو گی اور غالباً افسوس بھی ہوگا کہ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ اور ہندوستان کے ایک قدیم صدر مقام کلکتہ میں شہر کے شور و شغب سے دور، ایک شاندار ساحلی بنگلے میں رہتا ہوں میرے پاس سیر کے لئے . . . مارٹن کی دو بھیس شکار کاریں ہیں۔ ایک دخانی کشتی، اور آسمان میں پیرنے کے لئے بگلے کی طرح کا ایک ہوائی جہاز! اپنے بنگلے میں صرف میں ہی ایک اکیلا آدمی ہوں اور باقی سب عورتیں، جوان اور خوبصورت عورتیں، جو بنگال کے ان دیہاتوں میں پیدا ہوئیں جہاں ٹیگور کے حسین و جمیل گیتوں کی کیف آور بجلی سے پر رونق کی طویل کانپتی ہوئی نازک شاخیں اور سرخ لہکتے پھولوں کی خنک خواب آگیں سپاؤں میں دو شیزہ بہار کی سیلی چاندنی راتوں میں ایک دوسری کا ہاتھ تھامے ہوئے رقص کیا کرتی تھیں۔ اپنے دیس کے قدیم، پر اسرار پاکیزہ رقص، چاند اُن کا ناچ دیکھنے کے لیے دھان کے کھیتوں میں سے اُبھرتا بہارات کے نرم سلگوں غبار کی جالیوں میں [illegible] جاتا اور نوزائیدہ کلیوں کو چوما کرتی ہوا کے بد حال جھونکے ان کے گیت سننے کے لیے ایک طویل لمحے کے لئے اپنی سانس اپنے جوان سینوں میں [illegible] تھم جاتے، اور وہ ناچتی جاتیں، اور پھر دیہات کے سینے پر صدیوں سے لیٹی ہوئی قیامت! اچانک جاگ اٹھی ٹیگور کے گیتوں کے پھول مرجھا گئے، کھیت ویران ہو گئے اور یہ عورتیں، اپنے دیہاتوں کے شرمیلے خواب، کلکتہ کے بازاروں میں بکنے لگے، اور ایک دن میں یونہی گھومتا ہوا بازار میں پہنچا، تو گورو دیو کے بکتے ہوئے گیتوں کی پیاری خوشبو نے مجھے بیتاب کر دیا، اور میں نے چند شگفتہ پھول خرید لئے

نشریات کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اپنی میز پر جھکے ہوئے تم ان گیتوں کی ان موہنی کلیوں کی روح پرور خوشبو، لطافت، نزاکت اور حسن کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اور خبردار تم جو یہاں آ کر میرے عیش و آرام میں مخل ہوئے۔ تم ان لڑکیوں میں سے ایک کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتے۔۔۔ یاد رکھو میں تمھیں اس بات کی کبھی بھی اجازت نہیں دوں گا کہ تم میرے پاس آکر میری کسی محبوب لڑکی کو دیکھو، اور پھر اس کی نازک مرمریں باہوں کی ملائمت کو اپنی انگلیوں سے محسوس کرو، اس کے شیریں ہونٹوں پر طویل بوسے دو، اس کی جوان چھاتیوں کے [illegible] کو اپنی انگلیوں کے درمیان مسلو، اس کو گدگداؤ، اور پھر اس کو اپنے بازوؤں میں لے کر اس کے صندلیں جسم میں چھپی ہوئی لذتیں پرا لو۔ ٹیگور کے یہ گیت میری جائداد . . میری جنت۔ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی میرے خلد کو تباہ . . اگر کسی نے کبھی اس گناہ کا ارتکاب کیا، تو [illegible]

سخت ترین انتقام لوں گا۔ اپنے کمرے میں آرام کرسی پر دھنسا ہوا ہونٹوں میں ایک فرانسیسی سگار دبائے، میں تمھارے خدا کی طرح شیشیں دیواروں میں چھپا ہوا، فون پر اپنے فرشتوں کو یہ حکم دوں گا کہ بندے نے میری توہین کی ہے، اس کو اغوا کر کے اندھیرے زندان میں قید کر دو، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے، اس کی آنکھوں کے سامنے ننگی سنگینوں پر اچھال دو، اس کی [illegible] بیوی کی عصمت کو اس کے چہرے پر تھوک کر پارہ پارہ کر دو، اور پھر اس کو، اس کے جسم میں زہریلی سوئیاں چبھو چبھو کر، اور زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے اس کی بلند چیخوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، اس کو بھوکے شکاری کتوں کے سامنے پھینک دو، تاکہ وہ اس کے تکے تکے کر ڈالیں اس کمینے اور رذیل انسان کو، اس نے میری دنیا کے خلاف ایک خوفناک سازش کی ہے۔

+ * +

چلی آ، میری نہایت حسین ترین دوشیزہ، میرے پہلو میں آ میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے محبت نہیں کرتی۔ بلکہ اس پاگل [illegible] پر مرتی ہے ۔ لیکن کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ دنیا میں محبت کا جذبہ خود ہے اور ہوس اُلفت کا حریری لباس پہن کر حکومت کرتی ہے اس دنیا میں ہر چیز بکتی ہے، [illegible] کی جیبیں خالی تھیں وہ تیری محبت کو کیسے خرید سکتا تھا، اور میری جیبیں جہاں بھر کی دولت سے پُر ہیں اپنی لامحدود دولت کا سہارا لیکر تجھ کو خرید لیا ہے ۔۔۔ اور جانتی ہو میں نے تمھیں حاصل کرنے کے لیے کتنی رقم ادا کی ہے ۔۔۔ لیکن تجھے اس سے کیا؟ . . . . تم ایک ہاتھ میں لبریز جام، اور دوسرے ہاتھ سے صراحی اٹھاتے ہوئے میری آغوش میں چلی آؤ . . . میں تم سے محبت کرتا ہوں، اور ہمیشہ کرتا رہوں گا اور آج کی رات جبکہ دنیا کی ہر ایک شے پر جوانی چھا رہی ہے لیکن تیرے نازک شرمیلے، گلنار ہونٹوں پر بوسے دوں گا، تیرے سینے سے لذتیں حاصل کروں گا تیرے ریشمی بالوں کے سایوں میں خواب دیکھوں گا، تیرے سبکسار جسم کو اپنے ہاتھوں میں اچھالوں گا اور پھر تجھے اپنے ۔۔۔ تم اس قدر شرما کیوں رہی ہو؟ ۔۔۔ جام میرے ہونٹوں تک لے آؤ، آہستہ آہستہ قدم اٹھاؤ ۔۔۔ کیا تم ناچ سکتی ہو؟ ۔۔۔ اور کیا گا بھی جانتی ہو ۔۔۔ اچھا ناچو اور گاؤ ۔۔۔ بہت خوب ۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تم ایک ماہر فن رقاصہ بھی ہو، اور ایک شیریں نوا بلبل ۔۔ تمھاری ماں بھی ایک اچھی رقاصہ تھی، اور اس کی آواز اتنی سریلی تھی کہ . . . جب میں نے پہلی مرتبہ اسے دیکھا تو وہ چنار کے نیچے کلیاں چن رہی تھی، میرے قدموں کی آواز سن کر وہ ٹھٹک کر [illegible]

ان لوگوں کو اپنے خرچ پورے کرنے کے لئے سرمایہ کہاں ملتا ہے ...... آہ! چار بجے ہوں گے اور تقریر ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ اور مجھے ابھی لباس بھی تبدیل کرنا ہے اگر میں ان ہی کپڑوں میں تقریر کرنے چلا گیا تو حاضرین پا میری تقریر سے کوئی اثر قبول نہیں کریں گے۔ کھدر کی دھوتی اور کھدر ہی کی ایک بند گلے کی قمیص، اور ایک گرم کشمیری چادر، اس فرض کی تکمیل میں مجھے اپنے کندھوں پر ڈالنی پڑے گی اور مجھے اس سے بڑی تکلیف ہوگی۔ لیکن اس کے بغیر کوئی اور چارہ بھی تو نہیں ـــ ہندوستان کے عوام کس قدر جاہل ہیں ـــ یہ سب کانگرس کی مہربانی ہے، اور یہ مہاتما گاندھی تو لنگوٹی باندھ کر تقریر کرنے چلا جاتا ہے، یہ سب زہر اسی کا پھیلایا ہوا ہے۔ او میرے بھگوان ساڑھے چار ہو گئے میں جلدی جلدی تقریر کے نوٹ پڑھتا ہوں، اور سوچتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکل جاتا ہوں، مجھے اپنی مل سے دور کسی محفوظ مقام پر چلے جانا چاہیئے۔ کلکتہ سے دور کسی گاؤں میں، بہت دور، جہاں بہار کے رضاکار بھی نہ پہنچ سکیں

یہ کتنا پیارا بچہ ہے، یہ بھورے بھورے بال، تنگ پیشانی، ہلکی بھوری آنکھیں، حیا بیز ہونٹ، ننھے ننھے ہاتھ اور ٹانگیں، اس بچے کی ماں کس قدر سنگ دل ہے، کتنی بے رحم، جو اس بے رحمی سے بچے کو ساحل پر ڈال گئی ہے، یہ انسان غالباً اس کے گناہ کی پیداوار ہے۔ گناہ یا کسی سے محبت کرنا گناہ ہے، ہم اپنی کمزوریوں کو گناہ کا نام دیتے ہوئے نہیں شرماتے، ایک لڑکی کو اپنے پسندیدہ لڑکے سے محبت تھی، وہ اپنا جسم اپنی مرضی سے اس کو سپرد کرتی رہی۔ اور جب اس کی الفت ایک پھول بنی تو جاہل نے اس حسین کھلونے کو توڑ دینے کی کوشش کی شاید اس ڈر سے کہ دنیا اس کو حرامزادی کا لقب عطا کرے گی، اس کے بچے کو حرامی کہے گی، اس پر زندگی کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے، بزدل، ـــ لیکن تیرے بچے کو پالوں گا ـــ تو نے ماں بن کر ممتا کے مقدس جذبے کی توہین کی ہے تو ڈائن ہے۔ یاد رکھ تو نے ایک ایسا جرم کیا ہے جس کے لئے تیرا ضمیر تجھ کو کبھی معاف نہیں کرے گا ـــ تو اپنی تنہائیوں میں اپنے ننھے کو یاد کر کے آنسو بہایا کرے گی. ......

یہ لونڈا کتنا شریر ہے کمبخت یہ چاہتا ہے کہ میں ہر وقت اس کے پاس بیٹھا ہوا اس سے کھیلتا رہوں۔ جب لیکن اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے ہوا میں اچھالتا ہوں تو وہ مسکراتا ہے۔ اور جب دفتر اسے اٹھاتی ہے تو رونے لگتا ہے، اس کی وجہ سے تین روز آفس میں دیر سے پہنچا ہوں، اور پھر سارا دن اپنی میز پر جھکا ہوا اس کے لئے بچوں کی کہانیوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ کہانی تو خیر وہ کیا سمجھتا ہوگا، لیکن جب میں بولتا ہوں، تو وہ سنجیدگی سے میری جانب خاموشی سے دیکھتا رہتا ہے میرا خیال ہے کہ وہ جوان ہو کر کوئی بڑا آدمی بنے گا، مجھ سے بھی بڑا مگر دایہ کہتی ہے کہ ننھا بابو بنے گا، ان غریب ...... کی پرواز خیال بھی کتنی محدود ہوتی ہے۔ اگر میں اس حامی بچے کو ساحل سے اٹھا کر اپنے بنگلے میں نہ لے آتا تو سمندر کی لہریں اسے اپنے دامن میں بہا کر لے جاتیں اور پھر وہ نہ بڑا آدمی بنتا اور نہ بابو بلکہ مچھلیوں کی خوراک۔ خادمہ کہتی ہے جب وہ اسے باغیچے میں لیجا کر ٹہلاتی ہے تو ایک خوبصورت لڑکی، جو ہر روز وقت مقررہ پر ہاتھوں میں کتابیں اٹھائے پاس سے گزرتی ہے۔ ننھے کو دیکھ کر چلتے چلتے رک جاتی ہے۔ اور پھر شرماتی شرماتی باغیچے میں آ جاتی ہے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار کرتی ہے، اس کے ہونٹوں اس کی پیشانی اس کے نرم بالوں کو والہانہ انداز سے چومتی ہے۔ اس خدوخال تفصیل سے میرے ذہن میں ایک دستکار لڑکی کا عکس آ جاتا ہے۔ جو چند ماہ گذرے مجھ سے نشاط کلب میں ملا کرتی تھی۔ میرے ساتھ سینما جاتی تھی اور بعد اکثر راتوں کو میرے پاس ٹھہر جاتی تھی۔ میرے سینے میں ایک خلش بیدار ہوتی ہے۔ کیا یہ لڑکا میرا ہے۔ میرے ہی خون سے اس کی تخلیق ہوئی ہے آخر ـــ شکر ہے کہ یہ لڑکی آشنا نہیں ـــ اگر یہ خوبصورت لڑکی وہ ہوتی، تو مجھے ایک شدید صدمہ ہوتا، اور اس لڑکی کی عمر اتنی کم ہے کہ اس پر ماں بننے کا شبہ تک نہیں ہو سکتا۔ لیکن ناحق ایک کنوار پر شک کیا۔ اس لونڈے سے اس کے مرنے والے بھائی کی یاد وابستہ ہے۔ وہ جب اس شریر کو دیکھتی ہے تو اسے اپنا بھائی یاد آ جاتا ہے۔ غریب لڑکی! اے معصوم، دوشیزہ، تجھے اس پاک اور بے لوث محبت کی قسم، جو تیرے سینے میں ننھے کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہے، مجھے بخش دے، کمین نے تیری پاکیزگی پر شبہ کیا ہے ......

اے ننھی دیوی! ...... اے میری بہن ـــ میرے گناہوں کو بخش دے ـــ میں آئندہ کبھی تیرے متعلق کوئی برا خیال اپنے دل میں نہیں لاؤں گا۔

ولی عہد بہادر کے جنم دن کی خوشی میں مہاراجہ ...... سری مہاراجہ نے مجھے رئیس الرؤسا کا خطاب دیا ہے، اور میری خدمت کو سراہا ہے جو میں نے ریاست کی بہبودی کے لئے ادا کی ہیں۔ آج خوب شراب پیو، اور جاگیر سے اغوا کی ہوئی عورتوں کے سینوں سے لذتیں چراؤ اور میری طرح اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں بھی مجھ جیسی عزت اور ثروت نصیب ہو، تو تم بھی یہ بھول جاؤ کہ یہ ریاست تمہاری ہے، تمہیں سنگینوں کے زور سے غلام بنا لیا گیا ہے اور جب تم روٹی مانگتے ہو تو تم پر گولیاں برسائی جاتی ہیں۔ تم یہ فراموش کر دو کہ تمہاری بھی کوئی عزت ہے، تم اپنی بیویوں، لڑکیوں اور بہنوں کی حفاظت کر سکتے ہو ـــ تم انسان ہو ـــ تم اپنے آپ کو گندی نالیوں میں رینگنے والے کیڑوں سے بدتر خیال کرو، اپنے بھائیوں کا لہو چوسو، اور اپنی بے بس بہنوں کے ہاتھ ان اجنبی لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دو، جو آج تم پر حکومت کرتے ہیں۔ اُن کی ہر غلط بات کو ٹھیک سمجھو۔ اُن کی ہاں میں ہاں ملاؤ۔ تم میرے چہرے کی جانب کیا دیکھ رہے ہو۔ آج سے چند سال

مصنوعی بچہ پیدا کرنے کے تجربات پر ایک نظر

(از ثریا — بی۔ اے)

ڈاکٹری تحقیقات کے ذریعہ سے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ جتنے شادی شدہ لوگوں کے یہاں اولاد نہیں ہوتی ہے ان سے نصف تعداد ایسی ہے جنہیں مرد کم و بیش یا بالکل "بانجھ" ہوتے ہیں، موجودہ سوسائٹی میں مردوں کا "بانجھ" ہونا ایک جدید انکشاف ہے، گزشتہ نسلوں میں جب کبھی شادی شدہ عورت کے یہاں اولاد نہیں ہوتی تھی تو عموماً ہمیشہ عورت ہی اس کی ذمہ دار تصور کی جاتی تھی مگر تازہ ڈاکٹری تحقیقات اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ ایسے کیسوں میں تقریباً ۵۰ کیس ایسے ہوتے ہیں جنہیں اولاد نہ ہونے کے اسباب مرد میں ملتے ہیں

کچھ شادی شدہ جوڑے جب معلوم کرتے ہیں کہ ان کے یہاں اولاد نہیں ہو سکتی تو وہ اسے خدا کی رضی پر محمول کر کے صبر اختیار کر لیتے ہیں اور بے اولاد زندگی پر قناعت کر لیتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ مایوسی کے بعد بھی اپنی خواہش کو نہیں دبا سکتے اور وہ دوسرے کے بچے کو گود لے لیتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بیوی کو تمامتر قصوروار ٹھہرا کر دوسری اور تیسری شادی کرتے ہیں لیکن اب مصنوعی نطفہ قائم کرنے کے تجربات بھی ہو رہے ہیں یعنی شوہر کے علاوہ دوسرے کے مادہ منویہ کے ذریعہ عورت کو حاملہ کرتا ابتک اس کا تجربہ تقریباً ۵ ہزار افراد پر کیا جا چکا ہے جس کا نتیجہ بہت زیادہ کامیاب نکلا اور عورتوں کے یہاں بچے پیدا ہوئے گو اس تجربہ کو انگلستان کے معزز ڈاکٹر عمل میں لائے پھر بھی مصنوعی نطفہ قائم کرنیکا موضوع ہر ملک میں زیر بحث ہے مصنوعی نطفہ قائم کرنے کے خلاف برابر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی لوگ خود ڈاکٹروں سے اسکی خواہش کرتے ہیں اور ڈاکٹر ان کے کہنے پر مصنوعی نطفہ قائم کرنے کا عمل کرتے ہیں، اور اس عمل کی کامیابی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے

ابتدا میں تو یہ عمل محض تجربہ کے طور پر شروع کیا گیا اور صرف جانوروں پر یہ تجربہ ہوا تاکہ یہ دیکھا جائے کہ اس عمل سے ان کی نسلوں میں کچھ ترقی ہوتی ہے یا نہیں لیکن حال میں ایسے شادی شدہ جوڑوں پر اس کا تجربہ کیا جنہیں قدرتی طریقہ سے نطفہ قائم ہونا ناممکن تھا، شوہر کے اجزائے منویہ کو مصنوعی طریقہ سے بیوی کے رحم میں داخل کیا گیا، طبی نقطہ نظر سے تو یہ تجربہ بالکل کامیاب ثابت ہوا مگر اخلاقی، مذہبی اور قانونی طریقہ پر شاید یہ تحریک بھی مقبول عام نہ ہو سکے گی اسلامی نظام معاشرت کے زیر نظر بھی یہ طریقہ قابل مذمت ہے۔ جو لوگ زیادہ مخالف ہیں وہ اس عمل کو صرف جانوروں تک کے لئے مناسب خیال کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ عمل مذہبی قانون شکنی اور رسم مناکحت کے خلاف ہے وہ اسے خلاف اخلاق و تہذیب سمجھتے ہیں۔

اس عمل کے ہم خیال لوگوں میں بھی مختلف حیثیتوں کے آدمی ہیں کچھ تو بہت قدامت پسند ہیں جو بعض حالات میں اسے جائز سمجھتے ہیں جیسے نسل کو بہتر بنانے کے لئے یا آبادی کا توازن قائم رکھنے کے لئے۔

کچھ کا خیال ہے کہ یہ عمل خطرناک ہونے کے بجائے مفید ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ شوہر اور بیوی کے دیرینہ تمناؤں کو پورا کرتا ہے اور دوسری طرف میاں بیوی کی اس بدمزگی اور سرد مہری کو دور کر دیتا ہے جو دونوں کے درمیان اولاد نہ ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے ذریعہ دونوں کے دلمیں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ از سر نو دونوں میں محبت قائم کر دیتا ہے۔

اس کے جواب میں کہ یہ خلاف اخلاق ہے جو ڈاکٹر اس عمل کے موافق ہیں کہتے ہیں کہ فن اسباب کو نہیں دیکھتا کہ کوئی چیز مذہب اور شریعت کے خلاف ہے یا موافق۔ اور فن کو کسی چیز کی شرعی حیثیت سے تعلق نہیں ہوتا جہاںتک سوسائٹی کے اعتراض کا تعلق ہے اس عمل کیلئے بڑھتی ہوئی درخواستوں کی تعداد اور پھر ایسے خاندانوں میں جو تعلیمیافتہ اور ذی عزت ہیں بتاتی ہے کہ اخلاقی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ عمل مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

مصنوعی نطفہ قائم کرنے کے وجہ سے قانونی پیچیدگیاں بڑھ جائیں گی ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ اونٹیریو (ONTARIO) میں ۱۹۲۱ء میں ایک مقدمہ عدالت کے سامنے پیش ہوا تھا جس میں مستغیث نے بدکاری کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ اسی سال شکاگو (Chicago) میں ایک جج نے ایک طلاق کا مقدمہ اسی دلیل پر خارج کیا تھا کہ مصنوعی نطفہ قائم کرنے کو بدکاری کا جرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

مختلف ڈاکٹروں کے طریق عمل میں جزوی فرق ہو جائیں یہ اور بات ہے ورنہ عام قواعد ہر ایک کے لئے یکساں ہیں ڈاکٹر اپنے پیشہ کو باعزت پیشہ سمجھتے ہیں اور اس اہم ذمہ داری کو بھی محسوس کرتے ہیں جو خود ان کے پیشہ اور نیز سوسائٹی کی طرف سے ان پر عائد ہوتی ہے کیس دو قسم کے آتے ہیں ایک تو ایسے کہ جنہیں شوہر بالکل "بانجھ" ہوتا ہے جسکا سبب مادہ تولید کا قوام درست نہ ہونا یا کوئی ما قبل کی بیماری جیسے سوزاک کنٹھ مالا، سرطان یا نسلی دق وغیرہ، دوسرے کیس ایسے ہوتے ہیں جنمیں ایسے خاندان کے لوگ ہوتے ہیں جنکی نسل میں کمزور بچے پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں اس نسلی کمزوری کی دوسری مثالیں دیوانہ، اندھا، بہرا بچہ پیدا ہونا ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میاں اور بیوی دونوں ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنے لئے ڈاکٹر سے اسی عمل کی خواہش کرتے ہیں ایسے موقعہ پر ڈاکٹر کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی صحیح طور پر کرے اگر یہ لوگ اپنی خوشی سے مصنوعی نطفہ قرار دلوانا چاہتے ہیں تو ڈاکٹر کو دونوں کے جسمانی دماغی اور اقتصادی کیفیات پر نظر کرنا چاہیئے کہ ان کی یہ خواہش خلوص کے ساتھ ہے یا اس خواہش میں آئندہ تعلقات کی ناخوشگواری کے اسباب موجود ہیں۔ ایسی صورت میں یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ مرد اپنے تئیں کمزور محسوس کر رہا ہو یا یہ ہو سکتا ہے کہ عورت اپنے قریب کو جاری رکھنے کے لئے اس مرد سے بچہ ہونے کو بچانا چاہتی ہو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں مذہبی پیشواؤں کے پاس گئے ہوں اور انہوں نے اس

بقیہ صفحہ ۱۷

رقاصہ

(عمر انصاری)

بزم میں رقاصہ آئی رقص کرنے کے لئے
جینے والے ہو گئے تیار مرنے کے لئے

ہر ادا عہد جوانی کا مکمل شاہکار
ہر نظر جیسے کوئی بہکا ہوا بادہ خوار

چار جانب سے بڑھا بیتاب نگاہوں کا ہجوم
ایک مرکز پہ سمٹ کر آ گئے سارے نجوم

ہر طرف امید آغوش طرب کھولے ہوئے
بیچ میں رقاصہ طائر جیسے پر تولے ہوئے

پیچ و خم گردن کا اک پرپیچ راہ کوہسار
سائے زیں قدموں کے خوابیدہ سرینِ آبشار

ہر اشارہ انگلیوں کا، زمزمۂ تار رباب
ہر کنایا چشم و ابرو کا، اک الہامی کتاب

رقص کے آئینے میں صورت ریز یاد رفتگان
بانسری، جمنا کے دھارے، گوپیاں، اٹکھیلیاں

فکر مستقبل کو ماضی کی ادائیں بھا گئیں
کرشن اور رادھا کی تصویریں سی بن کر چھا گئیں

ہر در و دیوار آ کر وجد میں گانے لگے
گھنگروؤں کی تال پر دل رقص فرمانے لگے

کر دیا تھا مجھ کو بھی وارفتۂ رقص و ساز نے
یک بیک چونکا دیا لیکن کسی آواز نے

فلسفہ تھا اس کی ہستی کا جو میرے دل میں تھا
سب اسی محفل میں بیٹھے ہیں میں دوسری محفل میں تھا

ہائے وہ محفل ہوا بھی جس کی پُر آفات تھی
روشنی شمعوں کی گویا چادرِ ظلمات تھی

لے گیا میرا تخیل اس کے کمرے پر مجھے
آ گیا یاد اک مرا دیکھا ہوا منظر مجھے

حسن خود اٹھا مری تعظیم کرنے کے لئے
اکتسابی علم کی تقسیم کرنے کے لئے

پُر تصنع سی حیا امروز و فردا کی نوید
پُر تکلف سا تبسم پیکر خوش آمدید

عشرت ہستی مقید، درد کی زنجیر میں
زندگی مصروف ماتم سر بسر تقدیر میں

ہر ادا وہ جس میں بارود تباہی کی سی شان
ہر نظر وہ جس سے دنیا چیخ اٹھے الامان

قہقہوں کی وہ ترنم ریز موج زیر و بم
مردنی جس میں زیادہ اور جس میں زیست کم

حسن لیکن ناشناس منزل عرفان حسن
ناز لیکن سربسر آرائش دکان حسن

ظاہر و باطن عیاں تصویر صبح و شام کی
یعنی سرتاپا شباہت گردش ایام کی

تھا مرے پیش نظر اس کی جوانی کا مآل
سوچنے سے بھی جسے کتراتے افتادِ خیال

میں اٹھا محفل سے اس کی، دل میں یہ کہتا ہوا
موج میں امڈے ہوئے جذبات کی بہتا ہوا

کھینچ لایا ہائے کس مرکز پہ کسب زر تجھے
بیٹھ جانا تھا کسی گھر میں دلہن بن کر تجھے

پھر وہی میں تھا وہی ہنگامۂ رقص و ساز تھا
راز افشا ہو کے بھی گویا سراپا راز تھا

جائزہ

فریاد
(ادیب مالیگانوی)

دل جلے جب کبھی کرتے ہیں تڑپ کر فریاد
حشر حشر کا دکھلاتی ہے منظر فریاد

شوق کا سوز بھی شامل ہو اگر آہ زمیں ہو
قلب غیرت کو بھی کرتی ہے مسخر فریاد

دیکھیں رہتی ہے کہاں شانِ تغافل کب تک
ہم لئے جائینگے انکے در پہ برابر فریاد

ان کی آنکھوں میں سنبھلتے نہیں آنسو اب تو
رولانا دامنِ مقصود میں گوہر فریاد

شکوہ جور ستم ... بھی کچھ سخت ہوئے
دلِ نازک کو بناتی گئی پتھر فریاد

ناز ہے ان کو کمالِ ستم پہ اپنے
طعن آئے جو دکھانے لگے جوہر فریاد

دل کے ٹکڑوں سے وہ کرتے رہیں رسوا ہم کو
ہم جو تجھ سے کریں داورِ محشر فریاد

کام دیتا ہے کبھی ضبط بھی ہنگاموں کا
لب خاموش بھی بنتے ہیں سراسر فریاد

سامنے آتے ہی یوں اس نے جھکالی نظریں
رہ گئی اٹک کے سرِ سینہ کے اندر فریاد

وہ ہمیں گردشِ دوراں سے ڈرانا چھوڑیں
کہ نہیں عشق سے ممکن تہِ خنجر فریاد

جونک پتھر میں لگا سکتی ہے ادیب
دل نیکاں سنگدلوں پہ نہ ہو کیونکر فریاد

نقش کاری
اشعر ملیح آبادی

یہ جو ہر وقت بے قراری ہے
کچھ نہیں دل کی خام کاری ہے

پوچھ حالت نہ جو ہماری ہے
دل کی رگ رگ میں درد ساری ہے

حسرتیں سب نکل گئیں دل کی
اب فقط آرزو تمہاری ہے

اپنا دامن ذرا بچا کے چلیں
مضطرب خاک دل ہماری ہے

پہلے منزل کو ڈھونڈتے تھے ہم
جستجو میں وہ اب ہماری ہے

پھر ہمیں آشیاں کی یاد آئی
برق پھر تاک میں ہماری ہے

اے جنوں چند تار چھوڑ بھی دے
سر پہ پھر موسمِ بہاری ہے

صفحۂ حسن کی عبارت میں
عشق کی میرے نقش کاری ہے

کس کے ناوک ہیں آج تشنہ وہی
دل کے زخموں سے خوں جاری ہے

دل پہ ہر دم انہیں کا قبضہ ہے
جان بیشک ابھی ہماری ہے

ساقیا آج اک چھلکتا جام
دلکشا موسمِ بہاری ہے

دن ترے آسروں پہ کٹتے ہیں
تیرے وعدوں پہ شب گزاری ہے

ہم پہ قربان اشعر محزوں
پھر تو کیا خطا تمہاری ہے

غزل
شکیل نعمانی

اب کوئی بات بھی میری، نا کہ ہوش کی نہیں
آپکو بھول جاؤں میں، ایسی تو بیخودی نہیں

جسکا علاج ہو سکے درد وہ درد ہی نہیں
جس میں سکوں نصیب ہو وہ کوئی زندگی نہیں

پھینک دا اے محتسب یہ کوئی شے بری نہیں
میرے خیال سے کبھی تو نے شراب پی نہیں

ان سے یہ کہہ سکیگا کون، ہوش میں ہو سکیگا کون
نا سمجھ گر عشق بھی بات تو کچھ بری نہیں

حسن و جمال کائنات چھین کے لے گیا ہے کون
ذروں میں دلکشی نہیں پھولوں میں تازگی نہیں

ہو مری شب فراق، واہ میری شب فراق
یعنی کہ آج شام سے تاروں میں روشنی نہیں

ہائے شکیل کیا کہوں ان کا وہ وعدہ وفا
جس کو میں بھولتا نہیں خواب میں یاد بھی نہیں

غزل
اسید رضوی

ہو حجاب گل و لالہ سے نمایاں کوئی
پھر گلستاں کو بنا جائے گلستاں کوئی

انقلاب ایسا بھی ہو گردشِ دوراں کی کوئی
کہ مری طرح سے ہو جائے پریشاں کوئی

تابشِ حسن ہی بنجائے نگاہوں کا حجاب
اسطرح تو نہ ہو محفل میں نمایاں کوئی

مستقل وقفِ تباہی ہے نشیمن اپنا
ہم سا دنیا میں نہیں سوختہ ساماں کوئی

غمِ محرومیِ جاوید گوارا ہے مجھے
جورِ بیجا پہ نہ ہو اپنے پشیماں کوئی

حرم و دیر ہوں یا لالہ و گل ہوں کہ شفق
انہیں پردوں سے کبھی ہوگا نمایاں کوئی

آج جن ذروں پہ طاری ہے جمودِ پیہم
کبھی اٹھیگا اسی خاک سے انساں کوئی

ہو گئیں مدتیں خاموش سی ہے بزمِ حیات
چھیڑ دے آج ذرا سازِ رگِ جاں کوئی

باغباں تجھ کو مبارک رہے گلشن تیرا
ہم کہیں اور بنالیں گے گلستاں کوئی

چھیڑ جاتی ہے کوئی نسیم کی موجیں تجھے
پھر ذرا ناز سے ہو جائے خراماں کوئی

کامراں راہِ محبت میں ہوں اسید میں یوں
جیسے کھینچے لئے جاتا ہو گریباں کوئی

غزل
(مرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی)

ازل بھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے

برائی میں بھلائی دیکھا جاؤں مگر اب تک
یہ دولت عرفاں کی نازل ہوتی جاتی ہے

گناہِ عشق امرِ اضطراری کے سوا کیا تھا
مگر توفیقِ ربانی بھی شامل ہوتی جاتی ہے

رہے شانِ خداوندی، گنہگار و نہ یہ رحمت
غضب ہے پارسائی اور مشکل ہوتی جاتی ہے

کہاں لے جائیگی یہ وسعتِ آفاق کیا جانے
مکان و لامکاں گردِ رہِ منزل ہوتی جاتی ہے

بلندی کیا ہے پستی کیا، ہوا کی کارفرمائی
سراسر موجِ دریا غرقِ ساحل ہوتی جاتی ہے

نہ کترائے نہ بل کھائے تو پھر بارا کدھر جائے
ارے یہ کیا کہ راہِ راست مشکل ہوتی جاتی ہے

محبت کا مزا بگڑا کہ نیت بھر گئی اپنی
طبیعت جانے کیوں تلخی پہ مائل ہوتی جاتی ہے

مجھے دیکھو تو سمجھو حسن کے معنی و جدائی
وہ معنی جس سے روشن خلوتِ دل ہوتی جاتی ہے

نظر پڑنے لگی میری بھی اپنے شیشۂ دل پر
جوانی انکی آئینہ کے قابل ہوتی جاتی ہے

مرے دل میں لگا کر آگ آنکھیں سینکنے والے
تری چشمِ توجہ اور شامل ہوتی جاتی ہے

چلو تم بھی سنو شورِ دلا بزمِ یگانہ میں
چھڑا سازِ محبت گرم محفل ہوتی جاتی ہے

غزل
راغب مرادآبادی

دور جب دل سے خیالِ بیش و کم ہونے لگا
کعبۂ مقصد میں داخل ہر قدم ہونے لگا

رفتہ رفتہ عشق میں دیوانگی بڑھنے لگی
دل کا آئینہ حریفِ جامِ جم ہونے لگا

وہ گلے مل کر بچشمِ تر جدا ہونے لگے
غم زدہ دل پر بنا زندانِ الم ہونے لگا

شامِ ہجراں کو مری بیہوشی کی یاد آنے لگی
چونک اٹھا دل، امتزاجِ عیش و غم ہونے لگا

جذب ہو کر رہ گئیں نظریں جمالِ دوست میں
درہم و برہم نظامِ کیف و کم ہونے لگا

آج کچھ ان کی توجہ میں کمی پاتا ہوں میں
کیا انہیں سچ مچ ہی احساسِ ستم ہونے لگا

چھیڑ ہی کیا ہے شکستِ عہد و پیمانِ وفا
آپ کو احساس کیوں اے محترم ہونے لگا

آب حیات

حسن احمد سابق اڈیٹر "ڈان"

ضرورت ہے اسلام کے خدوخال پر روشنی ڈالنے کی اور دامنیات، اخلاقیات، اقتصادیات، سیاسیات وغیرہ و دیگر ذیلی تفصیلات پر اشاعت و تبلیغ کی، روشنی گفتار و کردار کی روشنی تاکہ اس کا تمام و کمال روپ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہو کر ابنائے عالم کی نظر و فکر اپنی طرف متوجہ کر سکے اور انھیں دیکھنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کا موقع ملے کہ اسلام در اصل ہے کیا اور بمقابلہ دیگر نظریات زندگی فلاح و بہبود بنی نوع انسان کے حق میں کس درجہ مفید قابل عمل اور ہم آہنگ فطرت ہے

کیا اس کام سے زیادہ اہم خدمت خلق کوئی اور ہو سکتی ہے؟ وہ لوگ جو اسلام کی قدر و قیمت سے نا آشنا بہرہ مند نہیں ان پر اس کار خیر یا اس خدمت خلق اور عبادت رب العالمین کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے اگر ان سے اس امر میں اقدام کی توقع ظاہر ہے کہ عبث ہے، اقدام کی ذمہ داری ان پر ہے جو محسوس کرتے ہیں، دیکھتے ہیں، سمجھتے ہیں اور پھر کچھ نہیں کرتے یا اپنی جگہ پر ٹلے گئے بیٹھے ہیں کہ کچھ نہیں کر سکتے۔

اس خدمت کے دو پہلو ہیں ایک علمی یعنی بذریعہ تحریر و تقریر تبلیغ و اشاعت اور دوسرا عملی یعنی اسلام کو اسکی تمام تفصیلات کے ساتھ برت کر دکھانا، تحریر و تقریر سے ایمان تو پیدا ہو سکتا ہے مگر تشنگی باقی رہ سکتی ہے جو ایمان کے مستحکم ہونے کے بعد ہی بجھ سکتی ہے اور جو کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ لہذا ضرورت ہے اسلام کو تمام و کمال برت کر دکھانے کی۔ علم الیقین تبلیغ سے پیدا ہو سکتا ہے مگر عین الیقین اسیوقت پیدا ہوگا جب ابنائے عالم اسلام کو بر روئے کار دیکھ لیں اور یہ بھی دیکھ لیں کہ اسکے بر روئے کار لانے یعنی اسکو برتنے سے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

تاریخ عالم میں صرف ایک مرتبہ توفیق ہوئی تھی صرف ایک جماعت کو اسلام برتنے کی، مدت پوری ایک صدی بھی نہیں، نتیجہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اسکے برکات سے کم و بیش ایک ہزار برس تک مشرق و مغرب یکساں مستفید ہوتے رہے اور آج بھی دنیا کی مادی ترقیاں اسلام ہی کی شمع ہدایت کے ذریات علوم و فنون کی مرہون منت ہیں تاریخ عالم میں اس سے قبل ایسی روشنی انسان کو نصیب نہ ہوئی تھی کیونکہ یہ وہ روشنی ہے جو دین و دنیا دونوں میں یکساں انسان کی رشد و ہدایت فلاح و کامرانی میں رہبری کرتی ہے اور یہ وہ طریق کار ہے جس پر گامزن ہو کر انسان دین و دنیا دونوں میں زائد سے زائد فلاح حاصل کر سکتا ہے اور کر چکا ہے۔

یہ دوسرا پہلو یعنی اسلام کو برت کر دکھانے کی ضرورت ہے صفحہ قرطاس کی نہیں بلکہ صفحہ زمین پر کسی ایسے ٹکڑے، ایسے خطہ کی جہاں قرآن کے قوانین و احکامات بلا رد و قدح بلا کم و کاست بلا ترمیم و تخریب نافذ کئے جا سکیں اور ان پر عملدرآمد کیا جا سکے اور اسلام کو برتنے یا بر روئے کار لانے کا لازمی نتیجہ قیام حکومت الٰہیہ و خدا کی بادشاہت ہے اس منزل کی راہ پر گامزن ہونے سے قبل اس خیال خام سے دستبردار ہونا پڑیگا جسمیں فی زمانہ اقوام عالم بلا استثنا مبتلا ہیں یعنی انسان پر انسان کی حکومت انسان کے لئے۔ یہاں شرط اول قدم اس امر پر ایقان و ایمان ہے کہ انسان، حیوان اور جمیع مخلوقات پر حکومت صرف خدا کی اور خدا ہی کیلئے اسکے خلیفہ فی الارض انسان کے ذریعہ یہ ہے بنیادی فرق اسلامی اور دیگر نظریات حکومت کا۔ اس فرق پر تفصیلی بحث اور اس فرق سے جو نتائج مرتب ہو سکتے ہیں اور ہو چکے ہیں انھیں تاریخ کی روشنی میں پیش کرنا مسلم مفکرین کا کام ہے یہاں اس خدمت خلق یا عبادت کا ایک تبلیغی پہلو ہے کا مذکور دینا ہے جو لوگ خدا اسکے قرآن اور اسکے ختم المرسلین پر ایمان نہیں رکھتے وہ ایسی حکومت میں شریک کار ہونا شاید پسند نہ کریں جہاں اصولاً قانون سازی کا حق انسان کو نہیں پہونچتا اور نہ ایسے ذیلی قوانین بنانے کا جو خدا اسکے قانون یعنی قرآن سے مستنبط نہ ہوتے ہوں۔ اور اگر توفیق خداوندی اور اپنی خوش قسمتی سے غیر مسلمین بھی شریک کار ہونا چاہتے ہیں تو ہم نہایت خوش دلی سے ان کو اپنے ساتھ حکومت میں شریک کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس امر پر کبھی اصرار نہ ہوگا کہ وہ تبدیل مذہب بھی کر لیں اسلام جبر روا نہیں رکھتا مسلمان قرآن سے بغاوت کرکے جبر نہیں کر سکتا اور اگر حکومت الٰہیہ میں کوئی بدبخت مسلمان قرآن سے بغاوت کی جسارت کرتا ہے تو اسکی پاداش اسے لازماً بھگتنی پڑیگی مسلم ہو یا غیر مسلم جسقدر عافیت اسکو حکومت الٰہیہ یا خدا کی بادشاہت میں حاصل ہو سکتی ہے اتنی عافیت غیر اللہ کی حکومت میں نہ کبھی نصیب ہوتی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اللہ کی اطاعت اور غیر اللہ کی اطاعت حکومت فی سبیل اللہ اور حکومت فی سبیل الحاجت کی حکمت ان کے مختلف نتائج، فرق اور تفاصیل کا غائر مطالعہ یہ امر بخوبی ذہن نشین کر دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کی زائد سے زائد عافیت کدھر ہے اللہ کی اطاعت میں یا غیر اللہ کی اطاعت میں، حکومت فی سبیل اللہ میں یا حکومت فی سبیل الحاجت میں، قرآن کے اتباع میں یا دیگر قوانین کے اتباع میں برتنے کا لفظ عمداً استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مسلمان صرف گیان دھیان یا وقتاً فوقتاً چند وظائف و دعائیں محض ورد زبان کر لینے سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا بلکہ اسے تو صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک جو کچھ بھی کرنا ہے وہ سب قرآن و حدیث کی روشنی میں اور اوامر و نواہی کی اطاعت میں خواہ وہ افعال یاد الٰہی کے سلسلہ میں ہوں یا پیٹ پالنے کے سلسلہ میں دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے یا ماضی حال و استقبال کسی زمانہ سے متعلق ہوتے جاگتے اس کا کوئی فعل کوئی خیال کوئی احساس اوامر و نواہی کے احتساب سے مستثنیٰ نہیں۔ اس کا ہر فعل اگر منشاء قرآن کے مطابق ہے تو رضائے الٰہی کے مطابق اور بدیں وجہ عبادت۔

دیگر مذاہب میں "عبادت" چند مخصوص رسوم کو کہتے ہیں، جو یادِ الٰہی کی محرک ہوں اور نجاتِ اُخروی کی ضامن۔ اسلام میں چونکہ خوفِ خدا و رضاجوئی معبود ہمہ وقت ہر قسم کے اقدام میں مقدم قرار دئے گئے ہیں لہذا یہاں ہر فعل یادِ الٰہی کا محرک ہے اور نجاتِ اُخروی کا ضامن بشرطیکہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ پر کیا گیا ہو اور ہر وہ فعل جو حرف بحرف قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ پر اللہ کی رضاجوئی کی نیت سے کیا جائے عبادت ہے۔ پیدا ہوکر مرجانے تک کوئی کام ایسا نہیں جسکے کرنے کا طریقہ اسلام نے نہیں بتا دیا ہو۔ مثلاً کسبِ معاش یعنی حصولِ اکلِ حلال خدا کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اسلام میں عین عبادت ہے اور ہو بھی کیوں نہ، عبدیت کا مقتضیٰ ہے معبود کی عبادت یعنی ہمہ وقت اسکی رضاجوئی۔ چنانچہ اس رضاجوئی کی نیت سے معبود کے بتائے ہوئے طریقہ پر عبد سے جو اقدام ہوگا وہ عبادت نہیں تو اور کیا ہوگا؟ یہ کیسی عبدیت ہے کہ جب چاہا اپنے آپ کو رشتہ عبدیت سے آزاد فرض کرکے جو چاہا کیا اور یہ کیسا رشتہ کہ جب چاہا جوڑ لیا جب چاہا توڑ دیا اور پھر جوڑ لیا اور پھر توڑ دیا۔ علی ہذا سب وہ کیسا معبود کہ اپنے عباد کی طرف چند قدم رہبری کرکے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے کہ من مانی جس کا جدھر سینگ سمائے نکل جائے۔ معبود اگر ہمہ وقت معبود ہے تو عبد ہمہ وقت عبد اور یہ رشتہ ہمہ وقت تا ابد دائم و قائم۔ اور جبتک یہ رشتہ قائم ہے معبود کسی لمحہ کسی امر میں رہبری کی ذمہ داری سے دستبردار نہیں ہو سکتا نہ عبد اپنی عبدیت و عبادات سے۔ اسلام میں عبادت کا یہی مفہوم ہے۔

وہ نہیں جو دیگر مذاہب میں ہے کہ جس وقت چاہا رشتہ جوڑ لیا جس وقت چاہا توڑ دیا۔ اسکی دینی عبادات صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی مشقت کی بھی طالب اور اسکی دنیاوی عبادات صرف جسمانی نہیں بلکہ روحانی مشقت کی بھی مقتضی۔ اسلام میں دنیا دین سے علیحدہ کوئی چیز نہیں نہ دین دنیا کو نظر انداز کر سکتا ہے نہ دنیا دین کو دونوں اس انداز و خوبصورتی سے تحلیل کر دئے گئے ہیں کہ مرکب کے مزاج میں خوشگوار اعتدال قائم ہو گیا ہے گویا بقول میر انیس ؎ خنکی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم۔

اسلام بالمقابل دیگر مذاہب محض چند عقائد و رسوم کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اسلام نام ہے ایک عدیم النظیر نظریہ حیات کا ایک باضابطہ مکمل اور نادر الوجود دستورِ حیات کا جو ماضی حال و استقبال پر، دنیا و عقبیٰ یا "دین" و "دنیا" دونوں پر یکساں محیط ہے اور جسکی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دیگر مذاہب کی طرح صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کرتا کہ انسان انفرادی طور پر صرف اپنی اصلاح کرے اور بس بلکہ یہ بھی لازم قرار دیتا ہے کہ انسان انفرادی و جماعتی دونوں حیثیتوں سے دوسروں کو بھی اچھائیوں کی تاکید ("حکم") کرتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے۔ یعنی اسلام میں از مہد تا لحد عمل ہی عمل در کار ہے اور ساتھ ہی ساتھ طاقت و اقتدار بھی کیونکہ بغیر اقتدار بیشتر احکامات پر عمل ممکن نہیں نہ اچھائیوں کی تاکید نہ برائیوں سے باز رکھنا۔

چنانچہ پیروانِ اسلام کو اپنا مذہب "برتے" بغیر چارہ نہیں، اسلام کو برتے بغیر اسکا پیرو دراصل مسلمان ہی نہیں۔ خود زیبی کی اور بات ہے جو مذہب نہ تھا تو تھا چند کلمات ورد زبان کر لینے کے بجائے ہمہ وقت برتا جاتا ہو اسکی تمام رعنائیاں محض لفظوں بیان سے غیر مسلم کی سمجھ میں کیونکر آئیں جبتک کہ برت کر دکھایا نہ جائے اور برت کر دکھانے کیلئے ضرورت ہے ایک سرزمین کی جہاں اسکے احکامات و قوانین آزادانہ نافذ ہو سکیں اور ان پر آزادانہ عمل ہو سکے

اگر اب تیرہ سو برس کے بعد مسلمان کو کسی سرزمین پر ایک مرتبہ پھر اسلام برت کر دکھانے کا موقع ملتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر کم و بیش وہی اثرات و نتائج مرتب نہ ہوں جنکی بدولت بنی نوعِ انسان پر برکات کا نزول ہوا تھا اور کوئی وجہ نہیں کہ دیگر اقوام یا جماعتیں عام اسکے کہ وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں اسلامی افکار و اعمال سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکیں اور متاثر ہو کر بھی فلاح دارین سے محروم رہیں صرف وہی بدبخت افراد یا جماعتیں محروم رہ سکتی ہیں جو اسلامی فکر و عمل سے متاثر ہی نہ ہوں مگر یہ نہایت بعید از قیاس ہے آج سے تیرہ سو برس قبل ترسیل رسائل و نقل و حرکت کے وہ زود رساں ذرائع انسان کو میسر نہ تھے جو آج ہیں مثلاً تار برقی لاسلکی ریل موٹر ہوائی جہاز وغیرہ موجودہ زود رساں ذرائع کے ہوتے ہوئے دنیا میں فی زمانہ بُعد زمانی و مکانی اسقدر کم رہ گیا ہے کہ افکار و اخبار ایک جگہ سے دوسری جگہ بسرعت پہونچ سکتے اور پھیل سکتے ہیں اب سے تیرہ سو برس قبل تو دنیا میں چند مقامات ایسے باقی رہ گئے ہوں گے جہاں اسلام کی آواز بوجہ بعد مکانی شاید پہونچ نہ سکی ہو مگر آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں کوئی آواز پہونچ نہ سکے اور جہاں کے لوگ خود گوش بر آواز نہ ہوں چنانچہ فی زمانہ دنیا میں اسلامی افکار و اعمال کی اشاعت کے اور اس اشاعت سے تمام اقوام اور جماعتوں کو یکساں مستفید ہونے کے مواقع و ذرائع پیشتر سے بہتر موجود ہیں۔

ہندی مسلمانوں کو اس مستقل مفاد کا موقع ہے اپنے حصہ کی سرزمینوں پر۔ مگر شرط اول یہ ہے کہ وہ پہلے خود نظام باطل سے یعنی غیر اللہ سے آزاد ہو وہ غیر اللہ خواہ انگریز ہو یا ہندو یا کوئی اور۔ کیونکہ اسلام و دیگر نظریات حیات میں وہی فرق ہے جو حق و باطل میں، نور و ظلمت میں۔ دونوں بیک وقت یکجا کارفرما نہیں ہو سکتے اسلام کا خمیر ہی کچھ اس قسم کا ہے کہ وہ غالب ہو کر صرف آسمانی ہی ہو کر رہ سکتا ہے اس سے کم کچھ اور ہو کر بجز نام باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ غالب رہنے کیلئے بنایا گیا ہے اور اس کے پیرو "اعلون" رہنے کے لئے کوئی اور حیثیت اختیار کرنا اسکے اختیار ہی میں نہیں۔ یہ موقع ایران، ترکی اور ایک حد تک افغانستان و مصر اور

چند عرب ممالک کے مسلمانوں کو برابر حاصل رہا ہے اور کم و بیش آج بھی حاصل ہے مگر اپنی سعادت بزور بازو نیست انھیں تب تک یہ نہ سوجھی نہ توفیق ہوئی کہ اسلام کو برت کر دکھاتے یہ کوئی دلیل نہیں کہ چونکہ انھوں نے ابتک ایسا نہیں کیا تو ہندی مسلمان کیوں کریں۔ کیوں نہ کریں؟ یہ کونسی زبردستی ہے کہ ابتک سوتے رہے تو ہمیشہ خواہ مخواہ سویا ہی کریں بیدار ہونے کا ہمیں حق ہی نہیں؟۔

ایران ہو یا ترکی وہاں کے مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت اور وہاں کے نظام حکومت سے دنیا کو دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ وہاں اسلام بر روئے کار ہے یا وہاں کی معاشرت و حکومت اسلامی ہے۔ قطعاً نہیں وہاں کا نظام حکومت وہاں کی معاشرت وہاں کا اخلاق سب غیر اسلامی وہاں کے راعی و رعایا کی نظر و فکر اور انکا عمل سب غیر اسلامی بجز چند عقائد کے [illegible] لوگوں کے ذہنوں میں خواب و خیال کیطرح مسخ و مبہم ہو چکی [illegible] لیکن ابھی فراموش نہیں ہوئی ہیں، وہ سب ظلمتکدہ یورپ کے قرب [illegible] باطل سے مسحور و مسا[illegible] اخلاق نظر و فکر سب مغربی مادیت، خود غرضی، خود پرستی و خود فریبی کی لعنت میں مبتلا۔

مسلمان اپنا سبق اپنا مقصد حیات تقریباً بھول چکا ہے کیونکہ نظام باطل نے جو عرصہ سے اسوقت تک دنیا پر مسلط ہے اسے اسکے اسلاف اسکی تعلیمات و روایات و اخلاق و تاریخ سے متنفر بنانے اور بیگانہ رکھنے ہی میں اپنے استبداد کے قیام و بقا کا خواب دیکھا اور یہی خواب اسی منشا کے ماتحت آج براعظم ہند میں برادرانِ وطن بھی دیکھ رہے ہیں انگریزی کی جانشینی کے خواب کے ساتھ ساتھ

رحمۃ للعلمین (روحی فداہ) کی ولادت باسعادت کے دن اولاد آدم مسرور تھی، فضا مسرور تھی، کائنات مسرور مگر علت سمجھ میں نہ آتی تھی دل کہتا تھا کہ عافیت کے دن آگئے مگر صورت نظر نہ آتی تھی تاآنکہ وہ دن بھی آگیا جب آنحضرت نے نبوت کا اعلان کر دیا اور حق کا پیغام سنا دیا اب دنیا کی سمجھ میں آگیا کہ وہ خود بخود مسرور کیوں تھی کانوں نے سن لیا اور آنکھوں نے دیکھ لیا کہ صراط مستقیم یہ ہے یعنی وہ راہ و روش جو ابنائے عالم کو ہمیشہ باہم متصادم ہونے سے باز رکھتی ہے اور انھیں صلح و آشتی اخوت و مساوات، عدل و انصاف و رواداری کی طرف لیجا کر حق یا اللہ کے پرچم کے نیچے مجتمع کر دیتی ہے اور ایک ہم آہنگ عالمگیر برادری بنا دیتی ہے یہ صراط مستقیم دور خلافت راشدہ کے بعد گم ہوگئی کچھ عرصہ بازیافت کی سخت جد و جہد رہی اور بالآخر حسین ابن علی نے تاریخ عالم کے ایک صفحہ پر ادھر سے ادھر تک اپنے خون کی واضح اور جلی سرخ لکیر چھوڑ دی کہ صراط مستقیم یہاں سے گم ہوگئی اولاد آدم بالخصوص ان کے نانا کے امتی دھوکا نہ کھائیں اسدن سے آج تک دنیا ایک صراط مستقیم کیلئے "سرکوہ و بیاباں ہے۔ نہ وہ یوسف گم گشتہ ملا نہ ویسا کوئی اور۔ ویسا کوئی دوسرا ہے بھی نہیں۔ ملتا کیونکر۔ وہ یوسف گم گشتہ محفوظ تھا اور آج بھی محفوظ ہے کنعان تاریخ میں کچھ قلوب میں خدا کے سینوں میں، قرآن کے اوراق میں [illegible]

صرف ایک کردار میں مفقود ہونے کی وجہ سے کسی کو نظر نہیں آتا اور صرف اسی ایک وجہ سے مسلمان جیسا کچھ ذلیل و خوار ہیں۔

ظاہر ہے، یہ حقیقت واضح کرتی ہے اسلام میں کردار کا مقام جہاں وہ صراط مستقیم نہ دنیا کو نظر آئی نہ اس نے اوراق تاریخ پلٹ کر سرخ لکیر کے اوپر مطالعہ کی زحمت گوارا کی، اور بدستور ایک صراط مستقیم کی تلاش میں نت نئے دستور ہائے حیات اختراع کرتی رہی، قومیت، وطنیت، استعماریت، اشتمالیت، اشتراکیت، فسطائیت اور طرح طرح کی [illegible]، مگر کوئی بھی نوع انسان کے درد کا درماں ثابت نہ ہوا ہر آب رواں کی جھلک بالآخر سراب ثابت ہوئی

یہاں پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان کے اختراع کئے ہوئے دستور ہائے حیات آخر اس کے درد کا درماں کیوں نہیں ہوتے تو [illegible] یوں نہیں ہوتے کہ مرض کی تشخیص اس کے دائرہ علم سے باہر ہے اور نہ اسکو جملہ ادویہ اور ان کی مختلف تاثیرات ہی کا علم ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ کونسی دوا کن علامات میں فی الحقیقت مفید یا مفید تر ثابت ہوگی، وہ تو خود مریض ہے، طبیب نہیں انسان جبکہ اپنے جسمانی امراض کے جملہ اقسام آجتک نہ جان سکا اور متعدد مسلم شدہ امراض کا مداوا آجتک نہ کر سکا تو روحانی یا نفسیاتی امراض کا کیا ذکر، مخلوق اپنی تخلیق کے مصالح و اسباب و علل اور اپنی تعمیر کے اجزاء ترکیبی ان کی مقدار ان کا امتزاج اور [illegible]، مرکب کا مزاج خالق سے بہتر نہ جانتی ہے نہ جان سکتی ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ظن و قیاس کے علاوہ کچھ جانتی ہی نہیں جسطرح ایک مشین خود اپنی اصلاح نہیں کر سکتی اور شعور نہیں رکھتی کہ وہ کیوں یا کیونکر بگڑی اور کیونکر پھر درست ہو سکتی ہے اسیطرح انسان جو ایک نادر الوجود مشین ہی ہے جس کی ترکیب میں حکیم مطلق صانع حقیقی نے عقل و شعور بھی تھوڑی سی شامل کر دی ہے نہ نوع انسان کے مرض کی تشخیص کر سکتا ہے نہ مداوا تجویز کر سکتا ہے اور نہ اپنے ذہن سے ایسی کوئی راہ نکال سکتا ہے کہ بالآخر باہم متصادم نہ ہو یہ ذمہ داری اسکے سر عائد نہیں ہوتی۔ بزعم خود خواہ مخواہ اس ذمہ داری کو اوڑھ لینا خلاق عالم کی شان میں گستاخی کے علاوہ سعی لاحاصل بھی ہے۔ پروردگار عالم نے خود ہی اپنی مخلوقات کی ضروریات و مقتضائے فطرت کے لحاظ سے صراط مستقیم متعین کر دی ہے اور اسکی ہدایت کیلئے ایک مکمل دستور حیات بھی مرتب کر دیا، یہ صراط مستقیم اسلام ہے اور مکمل دستور حیات قرآن۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد کہ صراط مستقیم کا متعین کرنا اور دستور حیات کا مرتب کرنا خالق کا کام ہے مخلوق کا نہیں اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ دشوار نہیں کہ اسلام اور قرآن فی الحقیقت خدا ہی کا بتایا ہوا راستہ اور اسی کا بنایا ہوا دستور ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تجربہ کے بعد یہ راستہ اور یہ دستور بھی اسی طرح غلط اور مہمل ثابت ہوتا جسطرح کہ انسان کے اختراع کئے ہوئے دستور ہائے حیات اور اسکی متعین کی ہوئی راہیں اور اگر بالفرض نہ خالق کو اپنی مخلوقات کیلئے کوئی صراط مستقیم و دستور حیات متعین و مرتب کرنیکا حق ہے نہ اسلام نہ قرآن خدا کا بتایا اور بنایا ہوا راستہ [illegible]

ہوتا ہی جو تجربے کے بعد جیسیر تاریخ عالم شاہد ہے، دیگر راہوں اور دستور ہائے حیات سے بدرجہا بہتر و مفید تر ثابت ہو چکا ہے؟

یہی راستہ اور یہی دستور تھا جسکی ایک جھلک تخلیق آدم کے وقت سے حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت تک وقتاً فوقتاً انسان کو اسکی وقتی ضروریات کے لحاظ سے دکھاری جایا کرتی تھی۔ تاآنکہ پروردگار عالم نے اپنی شفقت بے پایاں سے رحمۃ اللعالمینؐ (روحی فداہ) کی ولادت باسعادت کے بعد اس راستہ و دستور کو ایسا روشن و مکمل کر دیا کہ ہر زمان و مکان و ماحول اور ہر حال میں ابداً لآباد تک انسان کو پھر کسی دوسرے راستہ و دستور کی ضرورت باقی نہ رہے۔

دنیا اب سراب کے پیچھے دوڑتے دوڑتے تھک کر چور ہو گئی ہے، پیاس کا غلبہ ہے اور موت کا سامنا، ضرورت ہے آب حیات کی یہ آب حیات اسلام ہے، وہ بھی جانتی ہے کہ بغیر آب حیات آب مزید زیست ناممکن ہے اور وہ آب حیات غالباً اسلام ہی ہے مگر یہ آب حیات جیکے لئے وہ منہ بھی کھولے ہوئے ہے اور ہاتھ بھی پھیلائے ہوئے اُسے گردوپیش کہیں نظر نہیں آتا

کاش کہ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند یعنی دنیا میں کہیں تو مسلمانوں کو توفیق ہے کہ وہ حق کی آواز حق کا پرچم بلند کریں، اسلام کو پردہ سے کار رلا دیں اور ببرت کر دکھا دیں اسلام کی ہم آہنگی فطرت، اسلام کی للہیت و روحانیت، اسلام کی حق پسندی کا حق جوئی و حق کوشی اسلام کی عالمگیر اخوت و مساوات، اسلام کی وسعت نظر و فکر، اسلام کی عدیم النظیر اقتصادیات، اسلام کا عدل، اسلام کی رواداری، اسلام کی جہانبانی، اسلام کا جبروت و اقبال، اسلام کا زور حیدری و دبدبہ فاروقی، اسلام کا جمال محمدیؐ و جلال خداوندی۔

اولاد آدم چشم براہ ہے گوش برآواز ہے اور دنیا پیاسا اٹھنے کے لئے بیتاب ہے — مسلمان تو کہ معمر جادہ ہے اور کیوں تو اپنی طرف دیکھ آئینہ فطرت سامنے ہے پہچان کہ تو کون ہے کیا ہے اور کس لئے پیدا کیا گیا تھا۔

بلند تر از عالم روحانی تو
تو کجا بہر تماشا سے روی

پہلے، میں ایک آنہ فی من چیرے کا قلی تھا جب مزدوروں کی تحریک شروع ہوئی تو میں نے حکام کو (جب وہ مزدوروں کے لیڈروں کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے تھے، اور انقلابی تحریک آگ کی طرح ساری ریاست میں پھیل گئی تھی) اس تحریک کے تمام راز بتلا دیئے اور تمام سازشیوں کو گرفتار کروا دیا۔ چھ سو بیگناہ آج میری بدولت، عمر بھر کے لئے تنگ و تاریک جیلوں میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ تقریباً تقریباً اتنے ہی لوگ گولیوں سے بھون ڈالے گئے۔ عورتوں کو برہنہ کر کے تپتی سڑکوں پر پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کی بے عزتی کی گئی اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے اُن کے بچوں کو ننگی سنگینوں پر اچھال دیا گیا۔

یہ سب کچھ میری بدولت ہوا، اور اس عظیم خدمت کے معاوضے میں، یہ عزت، یہ غرور اور یہ مرتبہ ملا ہے۔ لیکن آج سے چکرورتی سری مہاراجہ کا خاص مشیر ہوں اور اگر میں اُن جاہل باغیوں کا ساتھ دیتا تو ایک قلی کا قلی ہی رہتا — اور پھر ایک دن بھوکا پیاسا اور دی کا مندوں کے ٹکڑے چباتا ہوا کسی سڑک پر گر پڑتا، اور پھر کسی امیر کی موٹر مجھ کو روندتی ہوئی گذر جاتی اور —

لیکن زندہ ہوں، میں اپنے ہم وطنوں کا اور بھی لہو پیوں گا۔ مجھے اور بھی مرتبہ ملے گا۔ پیو اور خوب پیو۔ میں آج بہت خوش ہوں کیا ہوا — میرے آباد اجداد اس ریاست کے مالک تھے۔ آ میری نیلی چڑیا میرے بازؤں میں سمٹ جا — پیو اور خوب پیو اور اپنا رقاصہ لوکیو، سپاہیوں کو اور پلاؤ، اور تم تم کر اُن کے درمیان رقص کرو، اپنے مرمریں اجسام کے آتشیں حصوں سے اُن کے سینوں کی آگ تیز کرتے ہوئے، ناچو اور پلاؤ . . . .

اے میرے دور افتادہ، رفیق و غمگسار، میں تجھے آج تک سات خط لکھ چکا ہے، اور تو نے سے ایک کا۔ خط کا جواب نہیں دیا شاید

تم مجھ سے نفرت کرتے ہو، ساری دنیا مجھ سے نفرت کرتی ہے . . . ٹیگور کے نکہت بیز گیتوں آؤ اور نذر اسلام کے نغموں کی طرح میرے دل پر بیٹھ کر مجھے ڈسو، اور میرے ریشمی سینے میں وہ زہر پھیلا دو جو تمہاری خوبصورتی اور لطافت میں چھپا ہوا ہے۔ کلکتہ میں جمع ہوتے ہوئے مجھ کو اپنے ایماندار ساتھیوں کو بھی آواز دو کہ وہ مرنے کے لئے یہاں چلے آئیں — میرے گودام گندم سے بھرے ہوئے ہیں اور — ایسے شریر لونڈے سے مجھے پختہ اُمید ہے کہ تو بڑا ہو کر میرے نقش قدم پر چلے گا، اور اور وطن کے سینے سے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لے گا — اے ننھی دوشیزہ مجھے بتا کہ میرے چاروں طرف یہ اندھیرا کیا ہے میرے رقص ہال کی شمعیں کس نے گل کر دیں ہیں اور کون میرے سر پر مسلسل وار کر رہا ہے — محل کے اندر اور باہر یہ شور و غل کیا ہے — مجھے معاف کر اے فردا کی ماں، تجھے اُس مقدس انسان کی قسم جو تیرے بطن سے پیدا ہو کر جہاں میں نور پھیلائے گا — اور میری جانب اس طرح سے تیز تیز نظروں سے مت گھور، میرے دور افتادہ دوست میرا دل مت جلاؤ، مجھے چھوڑ دو مجھ پر رحم کرو، طیارے میری بل پر بم گرا رہے ہیں! میں برباد ہو گیا ہوں لیکن ایک قلاش انسان ہوں۔ مجھ پر رحم کرو، مجھے بخش دو۔ مجھ پر رحم کرو . . . . . . مجھ پر رحم کرو!! — !!! . . . — —

"نسیم سندیلوی"
ایڈیٹر
پرنٹر پبلشر نے یونائیٹڈ انڈیا برقی پریس نیا گاؤں میں چھپوا کر دفتر ہفتہ وار "جائزہ"، رفیع منزل، دودھ خانہ لکھنؤ سے شائع کیا

اردو کا نامور ادیب و انشاپرداز

ایم مہدی حسن مرحوم گورکھپوری اپنے وقت کے ایک بااصول، وضعدار اور خوددار بزرگ تھے

کتب بینی ان کے لئے فرحیات تھی سرکاری کام کے ہجوم دانکار میں بھی۔ انکا ذہن جدید الفاظ اور جدید ترکیب کی وضع و تراش میں لگا رہتا تھا۔ طرز انشا میں وہ کسی کے معتقد نہ تھے۔ مولانا شبلی مرحوم نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے۔

ذیل میں مرحوم کے طرز نگارش کا نمونہ ملاحظہ ہو:—

"عورت محبت کی چیز ہے اور اس لئے وہ پیدا ہوئی وہ جھونپڑی کو اپنی صاف شفاف ہستی سے شیش محل بنا سکتی ہے یا صحت میں ہماری رفیق زندگی علالت میں خوش سلیقہ دایہ اور موت کے بعد ہماری خوبصورت سوگوار ہے۔ عورت اتنی تو ہو جسے مجسم شاعری کہہ سکیں جبکی دلکش آواز کانوں میں موسیقی کا مزہ دے جو اپنی نزاکت اور لطافت کے لحاظ سے شائستگی کا تخیل ہو۔

رفیقہ حیات شراب کی طرح جتنی پرانی ہو زیادہ باکیف ہوتی ہے یہ وہ راز ہے جو ہوس پرستی کے شیدائیوں کے سمجھ میں نہیں آتا،

مذوق کتاب سے مجھے نفرت سی ہے جو شروع کرنے سے پہلے ختم ہو جائے میں چاہتا ہوں۔ مجموعہ اتنا باکیف تو ہو کہ سرور کے ساتھ ہفتوں اور مہینوں خمار رہے۔

پہلے پہل آنکھیں کھولیں، مدت ہوئی ایک رفیق زندگی مل گیا تھا تو خواب طفلی دارزدے شباب پہلو میں تھی، زندگی کا بہترین حصہ اسی کے پرستش میں گذرا لیکن اس نے ترک رفاقت کی آج تک داغ دل میں موجود ہے ؎

بسینہ میں تا زندگانی رہے گا
ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

دنیا سے بہت بیزار ہو گئی قصد کر لیا پھر کبھی عقد نہ کروں گا کئی برس یوں ہی گزر گئے اپنے ڈھب کی چیز ملتی نظر نہ آئی جیسی چاہتا تھا وہ بس کی چیز نہیں تھی خدا خدا کرکے ایک جیتی جاگتی زہرۂ شب ہاتھ آئی، اور آج اس لائق ہو گیا کہ آپ کو احرام جدید کی خبر دینے بیٹھا ہوں۔

ہمارے یہاں اس قسم کے احرام اندھیرے کا نشانہ ہیں جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے لیکن شکر ہے کہ اندھیرے میں دفعتاً بجلی چمکی اور وہ گوہر شب چراغ ملی جس کی تلاش تھی، عورت اتنی تو ہو جسے آپ مجسم شاعری کہہ سکیں جسکی دلکش آواز کانوں میں موسیقی کا مزہ دے جو اپنی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے شائستگی کا انتہائی تخیل ہو، نفاست چاہتی ہے، حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی کی ہو۔

جسطرح میں دوم درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کرتا یہاں بھی یہ خیال قائم رہا آئندہ ہفتہ میں میرے پاس آجائیگی اور آپ انشاءاللہ اس کی جلوہ گری کے آثار صلائے عام کے صفحوں پر پردے پردے میں دیکھیں گے

عورت جب منہ پھیر کر چلنے کیلئے اٹھ کھڑی ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ چاہتی ہے کہ کوئی دوڑ کر دامن پکڑ لے۔

ایک بانکی عورت کی طرح جو کھیلی کھائی ہو اور جو مدتوں ستی شباب کے لئے وقف رہی ہو آپ کی خوش ادائیاں بھی جاننے والوں کے دائرہ نظر میں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔

آپ یوں غائب ہوئے جسطرح ایک شریف لیکن بگڑی ہوئی لڑکی گھر سے نکل گئی ہو۔

عورت کی فتوحات اسکا سرمایہ نشاط ہیں۔ وہ وار کرکے رہیگی۔ کیونکہ یہ امر اسکی فطرت میں داخل ہے، شانہ سے آنچل خود نہ گرائے لیکن اگر اتفاق سے گر جائے تو وہ خوب سمجھتی ہے، دوہرائے ہوئے آنچل میں در اصل اسے سینے کا ابھار غائب کرنا منظور نہیں بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اور نظر جا کر دیکھے محرم کا جائزہ ایک طرح کی داد حسن ہے جو ہزار پارسائی کے ساتھ بھی وہ آپ سے لیکر رہے گی۔

کسی حکیم کا قول ہے کہ عورت کو صرف "عورت" ہونا چاہیئے اس مختصر تعریف میں جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے ہیں وہ زندگی کا ایسا آلۂ متحرک ہوئی ہے جن کے تصرفات پس پردہ روکھی پھیکی زندگی کو "فسانہ" بنا دیتے ہیں اور جب وہ طرفت عشق کی چاشنی بھی اس کے ساتھ موجود ہو تو اس حالت کے اندازے کے لئے موجودہ دنیا کی لطافتیں بھی مشکل سے رہبری کریں گی۔ میری زندگی" خواب شیریں" بنکر میرے حصہ میں آئی" دو آتشہ" نے پچھلے نشہ کو اور چمکا دیا جس کا خمار مرنے کے بعد بھی شاید باقی رہے گا اور میرے خاک کے ذرے بھی عطر محبت میں بسے ہوں گے، کیا انسانی ہستی کی غایت اس کے سوا کچھ اور ہے۔

میں نے شاید آپ کو اپنے احرام جدید کی خبر نہیں دی یعنی مدت کی تلاش کے بعد وہ حسن لطیف ہاتھ آئی۔ جو آپ لوگوں کو دوسری دنیا میں ملے گی، خوف تھا کہیں پت جھڑ شروع نہ ہو جائے لیکن اب تو نئے سرے کونپلیں پھوٹتی معلوم ہوتی ہیں

کوئی نئی حرکت اس درمیان میں اور سوجھی، ہندوستانی ماؤں کی طرح کہ ایک گود میں ایک پیٹ میں، آپ کے طبع زاد معنوی بھی انھیں ترکیب سے وجود میں آتے رہتے ہیں۔

میں نے نہایت افسوس کے ساتھ سنا کہ آپ کے نصف بہتر حصے نے ترک رفاقت کی اور آپ دنیا میں اکیلے رہ گئے، مدت ہوئی یہ چوٹ کھا چکا ہوں، اسلئے آپ کے درد کا قوی احساس رکھتا ہوں بعض حوادث کسی طرح لائق صبر نہیں ہوتے، اور سچ یہ ہے کہ تحریک صبر ایک طرح کی بیوفائی کی تلقین ہے، جسے میں جائز نہیں رکھتا ہوں

امید ہے کہ وقت رفتہ رفتہ آپ کے افکار ٹھنڈے تھا لیکن لذت غم کا باقی رہنا ہی اچھا ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت اسی وقت تک ہے کہ پیش نظر ہے جب گذر گئی تو کچھ نہیں خدا کرے مرحومہ کی یاد میں آپ کوئی بڑا کام کر سکیں۔

جس زمانہ میں مشاعرۂ دکن پہلی دفعہ اسٹیج پر آئی ہے اور اسکی زبان سے یہ شعر نکلا ہے

در رہِ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بسے
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

خوب یاد ہے کہ بستر سے دل تھام کر بیٹھ گئے تھے۔

پان سفید بگلا رسے، اور خوش ذائقہ ہوں تو لطافت کا کیا کہنا لیکن خوبصورت ہاتھوں سے ملیں، تو کیفیت بڑھ جاتی ہے۔

دیکھئے پھولوں کی سیج پر جوانی کی ورزش کی شائقہ اپنے چاہنے والے سے کیا کہتی ہے ؎

دوسرا تیسرا یہ حملہ ہے   یہ بھی کیا کوئی شہر شملہ ہے

عورت کتنی ہی حسین ہو لیکن بیوگی کے بعد وہ جوبن نہیں رہتا، ہیرا تراش لو نگ کے اتر تے ہی اس کی سج دھج، تراش خراش سب میں فرق آجاتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ جنس لطیف اپنی پاکیزہ روشی اور کافرادائی کے ساتھ کائنات کے خوبصورت چہرہ کا غازہ ہی نہیں بلکہ شیرازۂ زندگی بھی ہے کہ بغیر اس کے دنیا مسرت سے رہنے کے لائق نہیں تھی

ایک تندرست عورت کی طرح جو ہر سال ایک خوبصورت بچے سے دنیا کی رونق بڑھائے گی آپکے دل و دماغ کی پیداوار بھی ایک باقاعدہ نظام کے تحت میں ہوگی اس کی ضمانت میں کرتا ہوں، کہ کامیابی آپکے جنبش قلم کی بلائیں لے رہی ہوگی۔

مجھے سیج پر جوانی کی ورزش میں اتنا لطف نہیں آتا جتنا ریشمی آنچل کے باریک تاروں میں چھڑوں کی جھنکار ضروری نہیں بلکہ پازیب کی آہستہ چھما چھم وہ ہستی ہے جس سے جیتے جی ایک منٹ کے لئے بھی بے نیازی جائز نہیں۔

جب تک طرز معاشرت میں اتنا رکھ رکھاؤ نہ ہو کہ ایک قیمتی سٹ کے ساتھ گھر کی بیوی چائے کے پانی کے درجہ حرارت کی بیاض ہو کسی سولیین کو مدعو کرنا بڑی ذمہ داری ہے۔

میری روح رواں یعنی نورجہاں بھی سایہ کی طرح ساتھ ساتھ ہیں حسن سلیقہ، نفاست کابل صحت کے ساتھ زندہ دلی کی جیتی جاگتی تصویر اگر مجسمۂ جذبات بنی ہوئی پہلو میں موجود ہو۔ جو اپنے رفیق زندگی کی ہر صنف کی انچارج ہو۔ تو بتاؤ خیام کی دنیا یعنی آج کے مقابلہ میں وعدۂ فردا یعنی بہشت ادھار ہے یا نہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ وہاں بھی رقیبوں کے حصہ میں کچھ آئے گا جو یہاں چھین کر جائیں گے۔

عورت کتنی ہی نازک اور لچکدار ہو لیکن یہ اس کی فطرت کا راز ہے کہ حریف مقابل کے ثقل پر غالب رہتی ہے یعنی ہارنے والے نہیں یہ دلچسپ شکست خدا سے صرف مقبول بندوں کے حصے میں آتی ہے۔

آپ کے لائق ادب کار ڈبھی اسقدر جامع و معنی ہوتے ہیں جیسے چنے کی دال پر قل ہو اللہ لکھی ہو۔ . . آپ دو سطریں بھی ایسی نہیں لکھ سکتے جن میں چشم سخن کسی نہ کسی ادبی مسئلہ کی طرف اشارہ نہ کرتی جائے اور یہ انشا پردازی کا کمال ہے۔

شکر ہے آپ کے قبائے احترام ان کانٹوں سے محفوظ ہے جن میں اکثروں کے دامن بے ضرورت الجھ گئے۔

ناظر کے خانہ ادب میں خود ساختہ ظفر الملک کی سرد مہری دیکھی ان کو علامہ شبلی سے بغض بشر ہے اور یہ موقع خالی جانے نہیں دیتے۔

گوسے کے دل کی سیاہی جب قلم سے ٹپکتی ہے تو زیادہ پھیلتی ہے نہایت افسوس ہوا کہ محبت کا ثمر اولیں ضائع ہوا، آپ سے زیادہ انکے ساتھ ہمدردی ہے جن کی بھری گود خالی ہو گئی۔

خیال کا پورا نہ ہونا ہی آرزو ہے اور یہی کشمکش سلسلۂ حیات کی وہ کڑی ہے جو بقائے ہستی کی ضامن ہے جس روز یہ نہیں ہم بھی نہیں۔ زندگی تو بس اسی کا نام ہے کہ حال کچھ ہے، خیال کچھ ہے۔

گندھی پٹی پڑھاتے ہیں۔ ہندی اردو ایک چیز ہے، رہا رسم الخط ہو اپنے ہاتھ سے نہ لکھا بائیں ہاتھ میں قلم دیدیا، بات ایک ہی ہے جس میں مسلمان بھائی راضی ہو جائیں۔ تعجب نہیں، یہ ایک دن ہو کر رہے۔ مسلمان اب ہو م ردل نہیں چاہتے اسورا جیہ کے دلدادہ ہیں جبکی ابجد ہندی ہوگی اور تو اور علماء میں مادہ احتجاج پہلے بھی نہیں تھا رہی سہی عصبیت جاتی رہی۔ ایک مشرک کے منہ سے جہاں کوئی کلمہ نکلا فرنگی محل بھی ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑا ہو گیا اور تدبیر شروع کر دی۔

آپ شکن بستر کیوں بنے۔ سن وسال تو مانتا، شکر بستر شکن ہونے کا ہے کل جو گذر گئی بیکار، جو آنے والی ہے غیر اختیاری ہے زندگی صرف آج کا نام ہے۔

اونچی سے اونچی سوسائٹی میں رہا بیٹھا بڑے بڑے جلوے دیکھے نظارے دیکھے، عمر اسی میں گذری لیکن قسم لو، اگر آنکھیں خیرہ ہوئی ہوں بجلی کی ہوش ربا روشنی میں بیٹھ کر بھی کبھی اپنے سادے چراغوں سے بے نیاز نہ ہوا اس سے زیادہ نمائشی دنیا میں ہم سے کیا چاہتے ہو، اچھے اچھوں کو دیکھا، آپے سے باہر سبک سری کی چلتی پھرتی تصویریں جاتے ہیں لیکن شکر ہے میں دو طرح کے دانت رکھتا تھا کھانے کے اور دکھانے کے اور، یہ تفریق میری امتیاری زندگی کا ایک خاصہ طبعی رہی ورنہ خاک کے ایک پتلے میں اور کیا رکھا ہے۔

وعدے کسقدر خوشگوار چیز ہیں بشرطیکہ وفائے عہد ہر وقت پیش نظر ہو، بہت بڑی خوشی یہ ہے کہ میں ان ذلتوں سے چھوٹا اور بعض ناقابل اور محدود خیال ہوسیوں کی غلامانہ اطاعت میں برداشت کرنی ہوتی ہیں، اب تحصیلدار صرف برابر کا جوڑی دار ہے جس کے سر پر ایک بھوت یعنی ڈپٹی یا حاکم پرگنہ ضرور ہوتا ہے مگر میرے سر پر کلکٹر کے سوا کوئی اور سایہ نہیں۔

دل ہے انگلیوں سے پوچھو کہ اگر دفعتاً ہمیشہ کے لئے دنیا چھوڑنی ہو تو کیا ہوگا یہ چلا رہے ہوں گے اسے ایسے تین روپیہ علی جگہ

زمین میں ہے اتنا کہیں اور کس طرح اپنے ہاتھ دفنا کر آؤں، اب کچھ لطف نہ اٹھایا نہ پہنا نہ کھایا۔ اے زرتشو! ایک سال بیتنے چھوڑ دو۔ سچ یہ ہے کہ زندگی اس زمانہ میں سخت ریاضت ہے سمجھے جاتے۔

زندگی صرف ایک طرح کی کشمکش کا نام ہے لیکن یہی جد و جہد اور نتائج غیر متناسبہ روح زندگی ہیں جس روز یہ سلسلہ منقطع ہوا، قبر میں رکھا، سمجھ لو۔

میں شاہ پور جی کے پاس گیا ہوا تھا، رؤف صاحب سے ملاقات ہوئی انھوں نے پوچھا کہیں خریداری کیلئے گئے تھے میں نے کہا۔ جی نہیں بکنے کیلئے لکھنؤ میں ہوٹل میں ٹھہرا تھا، لہٰذا محکوم ہو کر قیام کو کوئی نہ چاہا یعنی کبھی کا مہمان انس ہوا یہ کون سنتا۔ اے ہے! یہ کون صاحب ہیں جن کو خیر سے کھانے سے پہلے غسل کا پٹنا پڑا، چولہا پارسیوں کا آتشکدہ تو ہے نہیں ماما ٹھٹھے گی یہ آگ جلائے گی۔ تو پانی بھی گرم ہو رہیگا، مولویوں میں بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ جبتک خشکہ ان کو ملتا ہے، یہ آدمی رہتے ہیں جہاں بریانی کی چاٹ لگی اور ایک سے دو وقت ہوئے کہ یہ ہاتھ سے گئے پیٹ کے ساتھ خوش ظرفی نہیں بڑھتی۔

زندگی تو صرف زلف پریشان میں الجھاؤ کا نام ہے اور وہ بھی اس اہتمام کے ساتھ جکی تلقین عمر خیام نے اپنے فلسفہ میں کی ہے

"غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی اردوے خاص کی داد دیتے جس نے ایک نو خیز بازاری یعنی محل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کردیا کہ وہ اپنی بڑی بوڑھی دلی اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے یہ اقتضائے سن بڑی طرح کھیل کھیلی ہاتھ پاؤں نکالے، اور بیچ بچے بنائے بگاڑے بگڑی، یہ باتوں ہی باتوں میں سب کر لیتی رہی لیکن دفعتاً اس کی حالت نے پلٹا کھایا، اچھے دن آتے ہیں تو بگڑی بنجاتی ہے اب وہ مقدس علما کی کنیزوں میں داخل ہے، لیکن سنا گیا کہ خورشید ادھار شبلی سے زیادہ مانوس ہے اور قریب قریب انھیں کے تصرف میں رہتی ہے"

"سرسید سے معقولات الگ کر لیجئے تو کچھ نہیں رہتے، نذیر احمد بغیر مذہب کے ایک قدم نہیں چل سکتے، شبلی سے تاریخ لے لیجئے تو قریب قریب کورے رہ جائیں گے۔ حالی بھی جہانتک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں، لیکن آقائے اردو یعنی پروفیسر آزاد حضرت انشا پرداز ہیں جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔"

سچ کہئے "عذرا" واقعی بہت حسین ہے؟ تو ایک معمولی اور سرسری لفظ ہے عورتیں سبھی اپنی اپنی جگہ حسین ہوتی ہیں لیکن میں اپنے تخیل میں اوروں سے اسقدر مختلف ہوں کہ صرف گوشت پوست سے کام نہیں چلتا، عذرا میری عذرا! تو نظم زندگی یعنی پوری شاعری ہے اسکی آواز کامل موسیقی، اس کا تبسم میرا عنصر حیات ہے، اور قطعاً تو بیشکن ہے تو بیشکن اور کافر ایمان! ناممکن ہے کہ نظر پڑتے ہی اس پر قابو حاصل کرنے کو جی نہ چاہے، جہاں آنکھیں ملیں بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام جسم میں بجلی دوڑ گئی، مدت ہوئی جب میں پہلی نظر میں شہید ہوا، دل سے آواز آئی "عذرا یا خیر" جس کا نتیجہ آج تک بھگت رہا ہوں۔

سید مجتبیٰ حسن جونپوری

(بقیہ صفحہ سے آگے)

صلاح یا اجازت نہ دی ہو لیکن پھر بھی وہ ایسا کرنا چاہتے ہوں تو ڈاکٹر کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ دونوں کی آیندہ خوشگواری کس عمل پر منحصر ہوگی

ایک اور اہم مسئلہ مردانہ مادہ تولید کا انتخاب ہے ڈاکٹر کا فرض ہے کہ وہ ایسا شخص منتخب کریں جو اس عورت کے شوہر سے رنگ مزاج قومیت وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشابہ ہو بچہ میں، نسلی خصوصیات پیدا کرنے کی طرف توجہ رکھنی چاہیئے۔

ایک اور بات جسپر تمام ڈاکٹر متفق ہیں یہ ہے کہ وہ شخص جسکا مادہ تولید کام میں لایا جائے اس سے میاں اور بیوی دونوں بالکل ناواقف ہوں تاکہ قانونی زحمتوں سے بھی وہ لوگ محفوظ رہیں۔

جب مصنوعی طور سے نطفہ قائم ہو جائے اور حمل ۳ ماہ کا ہو جائے اسوقت عموماً ڈاکٹر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ عورت زمانہ حمل کی حفاظتی تدبیروں کے لئے اور نیز ولادت کے لئے دوسرے ڈاکٹر کے پاس جائے اور اس ڈاکٹر پر یہ نہ ظاہر ہونے دے کہ یہ حمل مصنوعی طور سے قائم کیا گیا ہے جب بچہ پیدا ہو جائے تو وہ ڈاکٹر جیسا کہ عموماً ہوتا ہے اس بچہ کی پیدائش کا سرٹیفکٹ لکھ دے اس تدبیر سے اسپتال کے رجسٹروں میں اندراج کی وجہ سے قانونی طور سے یہ بھی پورا ثبوت فراہم رہے گا۔

موجودہ جنگ نے بھی اس عمل کی طرف لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ کیا ہے کیونکہ بہت سے آدمی جنگ سے ایسے واپس آئے جن کی جسمانی صحت میں زخموں کی یا دیگر امراض کی وجہ سے جو مختلف آب و ہواؤں نے ان میں پیدا کر دیئے، نقصان واقع ہو گیا اور جب مستقل طور سے اپنے گھر بار کو آباد کرنے لگے تو انھیں اپنی امیدوں میں کامیابی نہیں ہوئی

بہرحال موجودہ دور میں مصنوعی نطفہ قائم کرنا ایک ایسا مسئلہ ہو گیا ہے جسکو قابل اور لائق حکام اور اہل فن کی متحدہ کوشش سے حل کیا جانا ضروری ہے۔

جہاں ایک طرف اسکی حمایت میں اتنا سب کہا جاتا ہے اور کہا جا رہا ہے وہیں اپنے اسکے معاشی اور مذہبی پہلوؤں سے بھی غافل نہ رہنا چاہیے ابھی صحیح طریقہ پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان مصنوعی بچوں کا کردار ان کی عادات اور ان کی دماغی صلاحیتوں میں عام انسانوں سے کچھ مختلف ہوگا کہ نہیں لیکن اس چیز کا پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر یہ مصنوعی بچہ دماغی طور پر کمزور اور غبی ہوں تو ان کے پیدا کرنے کی زحمت سے بہتر یہ ہے کہ انہیں عالم وجود میں نہ لایا جائے اگر انکا اخلاق کردار پست ہو اچھا کردار امید ہو تو بھی انکی پیدائش پر وقت ضائع کرنا نادانی ہے۔

مذہبی نقطہ نظر سے ایسے بچوں کو حرامی بچے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اسلام میں حرامی اولاد کے شہری حقوق بتنے محدود اور اسکی زندگی جسقدر تنگ ہے اسکے پیش نظر اس مصنوعی بچہ کرنے کے تجربات کو کبھی نہیں سراہا جا سکتا لہٰذا ان تجربہ پر وقت ضائع کرنا بیکاری ہے کیونکہ عالم اسلام میں یہ طریقہ کبھی مقبول عام نہیں ہو سکتا۔

اقبال کا نظریۂ شاعری

اقبال کا نقطۂ نظر ان کی اپنی شاعری کے متعلق سمجھنے میں یوں اور بھی آسانی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھتے شاعر کو تو ہم لوگ ہمیشہ سے ایسا شخص سمجھتے آئے ہیں جو ہر وقت عالم خیال میں رہتا ہو، کھویا کھویا سا اپنی دنیا الگ بنائے الفاظ کی بندش کیلئے پریشان، محاورات کے چکر میں گم اور مضمون کی تلاش میں دیوانہ، باتیں جب کرے تو کوشش یہ ہو کہ منہ سے پھول جھڑیں، کلام جب سنائے تو خواہش یہ کہ سامع کوثر و تسنیم کی موجوں میں ڈوب جائے جس چیز کی وہ تصویر کھینچے، بڑی رنگین بڑی خوبصورت اور دلفریب معلوم ہو حالانکہ ہمہ وقت ہم سمجھتے ہیں کہ اسکی یہ سب باتیں خیالی ہیں بناوٹی ہیں، یار رہا ہیں اسکے قول و فعل کا اعتبار نہیں جو کچھ وہ کہتا ہے کبھی کرتا نہیں یعنی شاعر سے مراد گویا ایک جھوٹا شخص رہا ہے جو محض باتیں بنانے کا بادشاہ ہوتا ہے، چند خوشنما الفاظ فضا میں بکھیر دیتا ہے جو آتشبازی کی طرح تھوڑی دیر چمک دمک دکھا کر اور لوگوں کو رجھا کر کالعدم ہو جاتے ہیں صرف دو چار لمحوں کے لئے ایک ماہتابی آسمان پر چمکتی ہے لوگ تعریف و توصیف کے نعرے بلند کرتے ہیں کہ واہ کیا خوب روشنی ہے اور پھر کچھ نہیں، دوسرے الفاظ میں شاعری سے مراد ہمیشہ خوبصورت جھوٹ یا جھوٹا حسن رہا ہے، اقبال اس قسم کے نظریہ کے سخت خلاف ہیں جس کا مقصد ہی محض اس قسم کی تفریح ہو جسکی غایت صرف دلچسپی ہو جو صرف اسی لئے کی جائے کہ چند حقیقت ناآشنا دروغ بافیاں پیش کی جائیں وہ ایسے شعرا کے زمرے میں اپنا شمار بھی نہیں چاہتے کئی دفعہ انھوں نے شکایتیں کی ہیں کہ ان کو اس قسم کا شاعر نہ سمجھا جائے

او حدیث دلبری خواہد زمن   رنگ و آب شاعری خواہد زمن
کم نظر بے تابی جانم ندید   آشکارم دید و پنہانم ندید

یا

اثر کرے نہ کرے سن تو لے میری فریاد   کہ داد کا نہیں طالب یہ بندۂ آزاد
میری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی   کہ بانگ صور سرافیل دل نواز نہیں

اسمیں شک نہیں کہ عرصہ تک اقبال نے بھی اس قسم کی شاعری کی تھی جسکا مقصد داد طلبی ہوا کرتا ہے یا ادائے محبوبی اور دلبری ہے ظاہری پیدا کرنے کا مشاعروں میں داد و [illegible] تعریفوں کے غل و شور سے چھتیں اڑی تھیں، لیکن جب اقبال کو ہوش آیا اور ان کی تعلیم و تربیت نے ان پر زندگی کے ٹھوس حقائق روشن کئے، آنکھیں کھلیں تو ان کو محسوس ہوا کہ شاعری کا وہ نظریہ جس کا مقصد صرف حسن آفرینی ہو محض دکھاوے اور نمائش کی چیز ہے، عمدہ چیز ہے اس سے خوشی تو پیدا ہوتی ہے لیکن وہ ایسی خوشی ہے جس سے ذہن پر کاہلی مسلط ہوتی ہے، بالکل ویسی خوشی جیسی افیون کی پینک میں حاصل ہوتی ہے وہ ہنر جو برائے تفریح ہو یا جسے آرٹ برائے آرٹ کہا جاتا ہے اقبال کے الفاظ میں محض ایک فتنہ ہے جو زوال اور پستی کے زمانہ میں ہم کو زندگی اور حقیقت سے محروم رکھنے کیلئے اٹھایا گیا تھا۔

اقبال یہ نہیں کہتے کہ کسی شاعر یا کسی آرٹسٹ کے ہاں حسن آفرینی ہونی ہی نہیں چاہئے، نہیں وہ تو مقدم چیز ہے اگر خوبی و خوشنمائی نہ ہوئی تو کلام میں حسن اور دلکشی پیدا ہی کیونکر ہو گی شاعر کا سینہ تو حسن کا تجلی نگار ہونا چاہیے، یہ اسکی نگاہ کا تو اثر ہوتا ہے کہ خوب خوب تر نظر آتا ہے اور حسین حسین تر، لیکن اقبال کے نزدیک محض یہ حسن آفرینی ہی شاعری کا مقصد نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ذریعہ ہے ان حقائق کو آشکار کرنیکا جو ہماری زندگی میں بڑی قدر و قیمت رکھتے ہیں شاعر کا تو کام یہ ہونا چاہیے کہ حسن کے آئینہ میں کچھ حقیقتیں دکھلا دے ایسی حقیقتیں جس سے بنی نوع انسان کو روحانی اخلاقی و سماجی کسی طرح کا فائدہ پہنچے حسن کی آڑ میں یا حسن آفرینی کے سہارے چند ایسے راز ضرور آشکار کر دے جو انسان کی زندگی میں قدر و قیمت رکھتے ہیں اور جن کے سننے سے لوگوں کے دل و دماغ تازہ ہو جائیں ان کی رگوں میں صحتمند پُر جوش خون دوڑنے لگے۔

لیکن شاعری میں یہ جوش پیدا کیونکر ہو کہ جو بات کہی جائے اس کے اثر سے سننے والوں میں بھی حرارت پیدا ہو جائے، اقبال کہتے ہیں یہ اسیوقت ہو سکتا جب شاعری کا دامن زندگی کے ساتھ بندھا ہو، جبکہ شاعری تفسیر زندگی ہو۔

ملے میانِ کیسہ ات نقد سخن   بر عیار زندگی او را بزن

اور یہ زندگی کے ساتھ وابستگی اسیوقت ہو سکتی ہے جبکہ شاعر کے دل میں خلوص ہو اگر دل میں جوش نہیں، خلوص نہیں ہے، صداقت نہیں ہے جو بیک وقت ذات لطیف کی آسودگی بخشے اور زندگی کی تابندگی بھی، تو ظاہر ہے کہ اس کا کلام بھی اثر کی تاثیر سے محروم رہے گا اور سننے والوں کیلئے کوئی کشش اسکے کلام میں نہ ہو گی۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر + نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر
برگ گل رنگیں ز مضمون من است + مصرع من قطرۂ خون من است

اقبال نے شعر میں اس خلوص کی اہمیت کو اپنی مشہور نظم "شمع و شاعر" میں بڑے خوبصورت انداز میں پیش کی ہے، شاعر شمع سے پوچھتا ہے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ تجھ پر تو ہزاروں پروانے آکر اپنی جان نچھاور کرتے ہیں میں بھی تیری طرح اپنے جی کو جلاتا ہوں لیکن میرے گرد تو ایک متنفس بھی نہیں آیا یہ آخر تجھ میں کیا بات ہے کہ معمولی سا پتنگا بھی ہو تو کی طرح بیقرار و بے چین ہو جاتا ہے شمع کیا خوب جواب دیتی ہے۔

میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز   تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا
گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک   شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا
گل بدامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح   ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوز دروں رکھتا نہیں   شعلہ ہے مثل چراغ لالۂ صحرا ترا
قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں   تنگ ہے صحرا ترا، محمل ہے بے لیلا ترا
اے در تابندہ اے پروردۂ آغوش موج   لذت طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا

اور لذت طوفان سے شاعر اسیوقت آشنا ہو سکتا

اپنے سینہ میں دل گرم لخت، پیدا کرے، فرط دل قدم آفت کہ بجز ان باقی بھی خلوص بھی سوز و درد اقبال کے نزدیک سب سے پہلی چیز ہے جو کسی شاعر کے دل میں ہونا چاہیئے یہ خلوص یا سوز محض دکھانے کے لئے نہ ہو بلکہ اس کی سیرت میں رچا ہوا ہو، اس سوز و درد سے مراد وہ معمولی خلش یا وقتی اضطراب بھی نہیں جو عموماً نوجوانوں کے دلوں میں بتقاضا سے سن پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ میں شاعری کا سرمایہ موجود دیکھ کر شاعری کرنا شروع کر دیتے ہیں نہ اس سے وہ کیفیت مراد ہے جو کسی خاص واقعہ کے باعث کسی شخص پر کچھ عرصہ کیلئے طاری ہو جائے۔ سوز وہ آگ ہے جو روح میں پیوست ہو جاتی ہے وہ لگن ہے جو زندگی کے عناصر میں جڑ پکڑ لیتی ہے یہانتک کہ زندگی اسی سوز ہی سے عبارت ہو جاتی ہے، انسان کا ہر قول و فعل اسی کے تابع ہو جاتا ہے لیکن یہ چیز محض خواہش سے پیدا نہیں کیجا سکتی جبتک کوئی فطرت کی طرف سے ایسا دل و دماغ نہ لایا ہو جو تنگ سے علاوہ ... ہو، حسن نظر کے علاوہ ... نگہ، حقیقت نگر بھی رکھتا ہو

اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن　　جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے　　یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

یہ سوز حیات ابدی، اقبال کے نزدیک اپنی بہترین شکل میں اسیوقت جلوہ نما ہوتا، جبکہ انسان کے دل میں وہ عشق پیدا ہو جائے جسکا مقصد بنی نوع کی اصلاح اور انکی تیر ... بلندی ہو عشق ... فرد واحد سے بھی ہوتا ہے اور محبوب کی خدمت کرنا بھی اپنی جگہ خوب کام ہے لگن کسی خاص نصب العین سے بھی ہوتی ہے اس نصب العین کو بھی پورا کرنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا اپنی جگہ پر بہت مستحسن ہے لیکن اقبال کہتے ہیں کہ ایسا عشق اور ایسا نصب العین اپنی جگہ پر خوب ضرور ہے مگر یہ محدود ہے اور اسلئے اسکا درجہ کمتر ہے خوب تر وہ لگن ہے، وہ محبت ہے جو کسی فرد کے دل میں اپنی جماعت۔ اپنی قوم، اپنے ملک یا اپنی نوع انسان سے پیدا ہو جائے اپنی ملت یا تمام انسانوں کی تکلیفیں اسکی اپنی تکلیفیں ہو جائیں، سب کا دکھ درد اسکا اپنا دکھ درد ہو جائے اور ... اسکی بھلائی اور بہتری کا خیال اسکی زندگی کا مصرف ہو جائے

اقبال کی شاعری محض ذاتی نشاط و غم کا نام نہیں کہ کسی شاعر نے اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑ لئے اور بار غم کو ہلکا کر لیا جی مطمئن ہو گیا۔ نہیں اسکا دل اپنے ذاتی ہجوم غم سے نہیں گھبراتا نہ اسکے دیپران سے کچھ میل آتا ہے ذاتی تکالیف تو ہر ایک کی زندگی میں کم و بیش ہوتی رہتی ہیں اسکے نزدیک محض اسکا ذکر کرنا انسانی عزم و ہمت کی بلندی کے منافی ہے اصل غم تو وہ ہے جو اپنی جماعت اپنی قوم یا اپنے ملک کے دکھ درد سے پیدا ہو کیونکہ اس کی اپنی زندگی جماعت کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ اپنی ملت و قوم کی ان تمام روایات اور بنیادی معتقدات کو برقرار رکھنا اسکی بقا کے لئے ضروری جانتا ہے اگر انہیں ٹھیس لگتی ہے تو سب سے پہلے اسے تکلیف ہوتی ہے، اپنی جماعت کے غم میں اپنے ذاتی غم کو مدغم کر دینا شاعر کا فرض ہے اسی خیالات کے ماتحت اقبال کے نزدیک تو شاعر کی ... اپنی قوم یا اپنی سوسائٹی میں وہی درجہ رکھتی ہے جس طرح تمام بدن میں آنکھ اور جس طرح جسم میں جہاں کہیں کوئی خرابی ہو آنکھ روتی ہے اسیطرح قوم یا سوسائٹی میں جو خرابی جب کبھی پیدا ہو گی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ احساس شاعر کو ہو گا کیونکہ ... وہ سب سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور سب سے زیادہ نرم اور پر خلوص، اسلئے وہ سچے شاعر کا درجہ سوسائٹی میں بہت بلند اور اسکی ہستی بہت اہم قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر کسی سوسائٹی یا کسی ملت میں شاعر کا وجود نہیں تو وہ ملت محض مٹی کے ڈھیر کے مانند ہے، شاعر کو وہی مرکزی حیثیت حاصل ہے جو سینہ میں دل کو ہوتی،

افلاطون اگر آج زندہ ہوتا تو اقبال سے یقیناً اچھی طرح پیش آتا لیکن وہ اپنی مفروضہ سوسائٹی میں شاعر کے وجود ہی کو رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا مختصر یوں ہے کہ اقبال کے نزدیک شاعر کو ایک بہترین انسان بھی ہونا چاہیے اگر کوئی شاعر انسان نہیں ہے تو اسکی شاعری جھوٹی اور وقتی ہے، ظاہر ہے کہ اقبال کا یہ تصور کہ شاعر کو ایک بہترین انسان اور ایک مصلح بھی ہونا چاہیئے بہت وسیع اور بہت بلند ہے۔

ہمارے شعرا کا کثیر حصہ ان شرائط کے ساتھ فانیاً شعر بننے سے گھبرائے گا وہ شاید یہی کہیں کہ اس دنیا میں اپنے درد سے تو فرصت نہیں ملتی اور پھر اسپر قوم کا درد اپنے سر کیونکر لیا جائے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ شرط انسانیت بھی غالباً ان شعرا کے لئے بہت کڑی ہے جو شاعری اور رندی و مزاجی کو ہم معنی سمجھتے رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال کا یہ وسیع اور ترقی پسند نظریہ ہمارے ان شعرا کے لئے مشعل راہ ضرور ہے جنکی نظریں محض حسن کی عارضی چمک دمک پر ہم کر ٹھہر جاتی ہیں اور ان حقائق تک نہیں پہونچتیں جن پر اس حسن کی بنیاد قائم ہے اقبال کا عقیدہ ہے کہ شاعر کا کام آدمی کو انسان بنانا ہے اور یہ کام اسیوقت ہو سکتا ہے جب انسانیت، تہذیب اور شائستگی کے اعلیٰ معیاروں سے وہ شاعر بخوبی واقف ہو ان پر عمل پیرا ہو تاکہ اپنے کلام و افعال میں وہ انسانیت کے بہترین نمونے پیش کر سکے سب کو معلوم ہے کہ یہ کام رشیوں، منیوں، اولیا اور پیغمبروں کا ہوا کرتا ہے اقبال کہتا ہے کہ ہاں شاعری بھی پیغمبری کا ایک جز ہے اس کا کام بھی پیغمبر کی طرح قوم کو سنوارنا ہے

شاعری ہم وارث پیغمبری است

مسٹر بلغ العلےٰ

مسلسل ناول

فضل احمد

مضمون سٹفکیٹ

ناصر الدین ایک معمولی جلاہا موضع کرسٹھ کا تھا مختلف قسم کی دریاں اور تہہ بند فیکر بیچتا تھا اور اپنی کثیر اولاد کی پرورش کرتا تھا۔ غدر کے ایام میں کرنل بیلی کا کیمپ کچھ روز کیلئے کرسٹھ میں ڈالا گیا۔ اتفاق سے گوروں کے پاس سگار ختم ہو گئے کیمپ میں بے چینی پیدا ہوئی چونکہ باغیوں نے رسد بند کر دی تھی اسلئے سگرٹ و سگار کی طرف سے قطعی نا امیدی ہو گئی تھی۔ ناصر الدین نے جو اس وقت عرفاً نصرو یا نصروا کہلاتا تھا ایک بیگہ زمین میں تمباکو کی کاشت کی تھی کھیت کٹ چکا تھا اور پتے سکھائے جا رہے تھے، یکا یک وفاداری اور خیر خواہی کا خیال غریب نصرو کے دل میں پیدا ہوا فوراً نصرو اس کی بڑھیا ماں اور ایک کانی عورت نے جو اس کی بی بی تھی چند گھنٹوں کی مسلسل محنت سے پتوں کو فوراً موڑ کر بڑے بڑے سگار تیار کئے اور تین ٹوکرے بھر کر جو ایک اسکے سر پر دوسرا اس کی ماں کے اور تیسرا ٹوکرا اس کی یک چشم عورت کے سر پر تھا کیمپ میں حاضر آیا کرنیل بیلی اور اس کی سپاہ جس نے عرصے سے سگار نہیں پیا تھا اس کو بہت غنیمت سمجھے اور بہت خوش ہوئے اور موضع دھلتوا جو باغیوں سے چھینا گیا تھا نصرو کو جاگیر میں نسلاً بعد نسل جب ایمائے گورنر جنرل کشور ہند عطا کیا گیا اس دن سے نصرو کو دیہات کا قاضی لقب اس کے اجداد سے ناصر الدین حسین کہنے لگا گاؤں کے پڑھے لکھے اشراف لوگ اسکو چغد کہتے تھے اب وہی لوگ جاگیرداری کی وجہ سے اسکو چغتائی بھی کہتے ہیں اب یہ کثیر تعداد جلاہوں کا چودھری ہو گیا ہے اور ہم اسکی ترقی سے خوش ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس کے اور بھائی بھی اسکے نقش قدم پر چلکر سرکار کے خیر خواہ بنیں گے۔

منجانب مسٹر سپورنگ ڈپٹی کمشنر

امیدوار — فخریہ انداز سے بلغ العلا کو دیکھ کر اجی جناب یہ تھا ہمارے بزرگوں کا اعزاز گورنمنٹ کی نظر میں

بلغ العلےٰ — (چپراسی سے) آپ کو باہر کا راستہ بتاؤ، چپراسی نے نگاہ قہر سے گھور کر ان سے کہا جلدی کمرہ خالی کیجئے۔ یہ مایوس وہاں سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلے جن لوگوں نے وہ الفاظ سنے ان سے معلوم ہوا کہ صریح گالیاں تھیں اور بگڑا ہوا منہ اور ان کے تیور بھی اس کی تصدیق کر رہے تھے ان کے رخصت ہوتے ہی پھر چلمن اٹھی اور انتخابی کمیٹی نے متعجب ہو کر یہ نام سنا

جناب دلباز فگن صاحب بیدل شاعر مولانی تم لکھنوی

بلغ العلا — (گھبرا کر) شاعر! کیسا شاعر!! کون شاعر؟ شاعر کی کیا ضرورت! یہ فقرے بلغ العلا کی زبان سے نکلتے تھے کہ دیگر ممبران پس و پیش کرنے لگے کہ آیا شاعر کو اجازت دیجائے یا صاف جواب دیدیا جائے کہ ایکسمرتبہ ایک شخص مستانہ وار جھومتا ہوا کمیٹی کے قریب آ کھڑا ہوا، مخمل کی اونچی ٹوپی سر پر جس میں تیل کے جابجا دھبے پڑے تھے، شیروانی خستہ حالی کی تصویر تھی اوپر کی جیبوں کا بخیہ بالکل ادھڑا ہوا نیچے کی جیبیں غائب ایک مہاپاک بغلوں کے قریب سے گزرتا ہوا دامن تک پہنچا تھا، انگرکھا دامن پر پانی کے دھبے اور پان کی پیک کی چھینٹیں تھیں، چند بٹن تھے وہ بھی ارادتاً کھول دئے گئے تھے اگر نیچے کی واسکٹ جو شاید نخاس کے کوٹ فروشوں سے ۴ ر میں خریدی گئی تھی اچھی طرح نمایاں ہو۔ آنکھیں ضرورت سے زیادہ پھیلی ہوئی اور چہرہ سے اس حیرت کا اظہار ہو رہا تھا جو زندگی کی باریک حقیقتوں کے انکشاف سے ہوا کرتا تھا جسکو عام طور پر دیوانگی یا وحشت کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جب کسی شخص میں ایسی علامت نظر آتی ہے تو یا وحشت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، شاعر نے بغیر کسی ابتدائی رسم و سلام و کلام ادا کئے امیر مینائی کا مشہور شعر نہایت پر درد لہجہ میں ادا کیا کیونکہ شعر پڑھنے میں ایک حد تک موسیقیت بھی ضروری سمجھی گئی ہے

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

ہاں ناز بردار نہیں ہوں ۔ ہاں ناز برداروں میں ہوں

بلغ العلا۔ اپنے انتخابی کمیٹی کے سامنے آپکی کیوں زحمت گوارا کی جناب دلباز صاحب کسی مشاعرے کا اعلان کو کیا نہ تھا اور نہ یہ اہم و سنجیدہ موقع اسکی اجازت دیتا ہے کہ فضول شعر و شاعری میں وقت ضائع کیا جائے

شاعر۔ (خوش آوازی سے)

تری محفل میں لائی ہے کشش جذب محبت کی
ملے کچھ داد الفت کی نظر ہوتی عنایت کی

آیا ہوں بیقرار تمنا لیے ہوئے — دل میں امید وصل کی دنیا لیے ہوئے
حاضر ہوئی ہے تشنگی تری بزم میں — محبت جگر کا قیمتی تحفہ لیے ہوئے

(نثر میں) میرے آنیکا اصل سبب ایک ایسی شدید بے چینی تھی جسکو مرزا غالب نے خوب بیان کیا ہے

کہوں کیا حال تھا میرا فراق یار میں غالب
کہ بیتابی سے ہر اک تار بستر خار بستر تھا

رات جوں توں کروٹیں بدلتے گذری سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اور میں در دلدار کی طرف روانہ ہوا

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند
بلاکشان محبت بکوئے یار روند

اس سبب کے علاوہ اور بھی مقاصد یہاں کی حاضری میں مضمر تھے، مثلاً اطراف کوچہ یار، شوق دید، طعنہ اغیار، ذوق رسوائی وخواری ... ...

بلیغ العلا۔ کوئی ہے اس مجنون کو یہاں سے دور بھگا کر چھوڑ آئے (دو انتخابی یہاں آتے) افسوس ہے کہ ایسے لوگوں کا دیوانہ طبیعت کو مکدر کر دیتا ہے اور بیکار وقت ضائع ہوتا ہے۔

مسٹر کمال الدین۔ یہ تو ہونا ہی ہے کہ جب اعلان دور دور نزدیک پہنچ چکا کر تو ہر طرف کا آدمی آئیگا ہاں عمل اسیر ہونا چاہیے

"کانٹوں کو بچا کے پھول چن لو"

بلیغ العلا۔ (مایوسی کے ساتھ) جی ہاں اور چارہ ہی کیا ہے

شاعر صاحب یہ حکم سنکر خود ہی ہٹ کر ایک کونے میں دور جا کر کھڑے ہوگئے

اور چپراسی نے دوسرے کا نام پکارا۔

مسٹر زکی علی خان بی اے خلف اکبر مین الملک شہنشاہ [illegible] ایک نوجوان بیست سالہ وجیہہ، خوبرو، عمدہ سرج کا ترکی کوٹ نکٹائی و کالر زیب گلو، سونے کی گھڑی جسکی طلائی زنجیر دونوں جیبوں [illegible] پڑی ہوئی، فلالین سپید کا پتلون، [illegible] دمیتی کا امریکن شو، ترکی ٹوپی ذرا بانکی وضع سے ہوئے [illegible] سب کی نظر انتخاب ان کے [illegible] صورت کے لحاظ سے پڑنے لگی اور اگر صرف انتخاب محض حسن وصورت [illegible] و وضع لباس سے ہوسکتا تو یہ نوجوان اس قابل تھا کہ [illegible] کمیٹی اسکو پسندیدہ امیدوار قرار دیتی بلکہ خود صاحبہ معاملہ یعنی خوبصورت شمیم بھی اسکو دیکھکر آنکھیں نیچی کر لیتی

امیدوار۔ کیا کمیٹی کے معزز حضرات کچھ سوالات کرینگے یا اپنی کوالیفکیشنز مشمولہ اعلان خود ہی بیان کر دوں۔

پروفیسر کمال الدین۔ میں لائق امیدوار کا شکریہ ادا کروں گا اگر وہ صدر صاحب کو زحمت سوالات سے سبکدوش کر دے

امیدوار۔ جناب صدر صاحب مکرم! میں ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ میں ایک عرصہ سے تمام دنیا سے بڑھکر مس شمیم کے حسن و کمالات کا دلدادہ ہوں (مسٹر بلیغ العلا اس ریمارک پر خفیف سا مسکرائے کیونکہ خوبصورت شمیم کی اسمیں سچی تعریف تھی) میں یہاں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ کیا ہی [illegible] نکلیگا [illegible] کا [illegible] جس کا نام نامی مسٹر بلیغ العلا ہے اور جس کا اسم بزرگ یونیورسٹی بار روم سینما تھیٹر گھوڑ دوڑ، پبلک جلسوں اور پرائیویٹ دعوتوں میں بھی فخر و امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے میری ہونہار اور اٹھتی جوانی سے وابستہ امیدوں اور ترقیوں کا لحاظ کر کے میری موجودہ قابلیتوں پر اکتفا کرے گا اور بہ منظوری خوبصورت شمیم مجھ سے وعدہ [illegible] کرے گا کہ وہ جلد سے جلد مجھے اس کی نازبرداری [illegible] دے گا۔

بلیغ العلا۔ معاف کیجیے گا گو آپ کی تقریر نہایت فصیح اور قابل قدر ہے مگر تمہید کو طوالت دینا ضروری نہیں ہے اصل مطلب کی طرف رجوع کیجیے

امیدوار۔ بہت بہتر مختصراً اور مجملاً عرض کروں گا کہ میں [illegible] صاحب حیدری کی خالہ کے ماموں زاد بھائی کے بھتیجے کا نواسہ ہوں امیر [illegible] صاحب کے قریبی [illegible] راجا صاحب [illegible] کی بیوی کے [illegible] کی چچا زاد بہن کے ماموں کے بڑے سالے کی حقیقی اور [illegible]

علاقہ [illegible] زرخیز ہے آمدنی کا [illegible] نہیں فی الحال [illegible] سرکار میں [illegible] گزارہ ہے اور قرضہ کے سود میں جاتا ہے۔ گورنمنٹ [illegible] خاندان کی [illegible] کورٹ آف وارڈس اپنے انتظام میں لے لے مگر اس کی توقع نہیں ہے میں عنقریب بعد فراغ تعلیم بی۔ اے جسکو میں مس شمیم کے ساتھ ہی ساتھ [illegible] ڈگری میں پاس کرلوں گا ارادہ کر چکا ہوں کہ ولایت کا سفر کروں گا اور وہاں سے فارم کا [illegible] سیکھ کر اپنے علاقہ کو [illegible] انگریزی طریق سے کاشت [illegible] کروں گا اور ایک [illegible] کامل کر دوں گا [illegible] تمام قرضہ [illegible] سال میں ادا کر دوں گا جس سے تمام قرضہ ایک سال میں ادا کر دوں گا اور پھر [illegible] اپنی آئندہ وائف یعنی مس شمیم کو متمتع کروں گا۔

بلیغ العلا۔ کیا آپ نے ابھی بی۔ اے پاس نہیں کیا ہے، پھر آپ نے اپنے نام کے ساتھ لفظ بی۔ اے کیوں شامل کیا۔

امیدوار۔ میری آئندہ بی بی نے ابھی امسال پاس کیا ہے میری اور ان کی حالت بالکل موافق ہے اور اگر ایسی موافقت کا خیال نہ کروں تو زن و شو میں لطف زندگانی کیا!

مس شمیم۔ پاپا۔ یہ میرا نوٹ پڑھیے۔

بلیغ العلا۔ (مس شمیم کے ہاتھ سے لیکر) اپنا بیان ملتوی کیجیے (امیدوار سے)

۔ مس شمیم کا پنسل کا لکھا ہوا نوٹ ۔

پاپا میں اس آدمی کو جانتی ہوں یہ یونیورسٹی میں اکثر دکھائی دیا ہے ایک مرتبہ میں [illegible] کالج سے یونیورسٹی ایک خاص لیکچر سننے کے [illegible] چند لڑکیوں کے ساتھ گئی تھی یہ مجھ کو بری نگاہ سے گھور رہا تھا اور جب میں [illegible] سے نکلی تو اس نے یہ شعر کئی بار پڑھا جو مجھے یاد ہو گیا۔

دل شدہ مبتلائے تو
ہر چہ کنی رضائے تو

میں کلوک پہنے ہوئے تھی میں نے اپنا منہ چھپا لیا اور وہاں سے جلدی جلدی قدم بڑھایا جب میں وہاں سے لوٹی تو یہ پھاٹک پر ملا اور وہاں بھی ہاتھ اٹھا کر یہی شعر پڑھتا رہا، میرے نزدیک اس نے بد تہذیبی کا برتاؤ ایک دوشیزہ سے کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سوسائٹی [illegible]

بلیغ العلا۔ (نوٹ پڑھکر) بیشک ٹھیک خیال ہے (امیدوار سے) [illegible] بیان میں خوبصورت [illegible]

مجھے کمال انصاف سے (اور یہ جیوری ممبروں کی طرف بڑھایا گیا)
ایک الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے ایک دوشیزہ کو بازاری شعر پڑھ کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔
دوسرا الزام یہ ہے کہ خوبصورت شمیم جب باہر نکلتی تو کلاک استعمال کرتی ہے کبھی رضائی نہیں اوڑھ کے نکلتی ہے آپ نے اسکے کلاک کو کہا "وہ رضائی تو"
امیدوار — سبحان اللہ جج صاحب سبحان اللہ شعر فہمی عام بالا معلوم شد وہ لفظ رضائے تو ہے جسکو "رضائی تو" آپ پڑھ رہے ہیں۔

غیرزان الزامات سے معلوم ہوا کہ مس شمیم میری قسمت میں نہیں ہیں۔
بہتر ہے اداب عرض کرتا ہوں اور ایک دفعہ پھر بازاری شعر کو پڑھونگا۔
(مس شمیم کی طرف عاشقانہ انداز سے دیکھکر)

دل شدہ مبتلائے تو
ہر چہ کنی رضائے تو

یہ کہتا ہوا امیدوار روانہ ہوا۔

روس کی جدید معاشرت

ایک قدیم روسی ناول ہے جسکا نام [illegible] ہے میں نے اس ناول کو بھی پڑھا ہے اور تھیٹر میں بھی اسی ناول کو تماشے میں دیکھا ہے اسی ناول کی ہیروئن کا نام [illegible] ہے واقعی یہ ناول رومان میں بے نظیر ہے اس ناول میں روسی لڑکی کا جو کیریکٹر دکھایا ہے اس سے موجودہ زمانہ کی روسی لڑکیوں کے کیریکٹر میں زمین آسمان کا فرق ہے قدیم روسی لڑکیوں میں بعض ایسی خصوصیات نظر آتی ہیں کہ جنکی روسی لڑکی انکو سنکر ہنس دیگی یہ اثر دراصل تہذیب و تمدن کی تبدیلی کے سبب ہے مگر ہم نے یہ دیکھا کہ آج کل روسی لڑکیاں ان پر بالکل ہنستی ہیں اور انکا مذاق بھی اڑاتی ہیں، وہ لڑکیاں ان قدیم لڑکیوں کی بہت عزت کرتی ہیں جن کی محبت ٹھکرائی گئی اور جنھوں نے تصور کے ٹھکرائے جانے پر بھی وہ اپنی شکست اور مایوسی کے بعد اپنے محبوبوں کے ساتھ بری طرح نہ پیش آئیں۔
ایک روسی لڑکی نے جو ماسکو کی ایک فیکٹری میں ملازم ہے مجھ سے کہا جب میں نے [illegible] کو پڑھا تو مجھے رونا آگیا میں نے اس سے پوچھا، مگر تمھیں رونا کیوں آیا؟ اس لیئے کہ اس ناول میں ہیروئن آخر میں ایک خانقاہ میں زندگی بسر کرنے کیلئے چلی جاتی ہے۔ لڑکی نے جواب دیا — "ہاں میں سمجھتی ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ میں بھی ایک جوان سے محبت کرتی تھی اور اس سے میری نسبت قائم تھی ہم دونوں ساتھ [illegible] کی پارٹیوں پر جایا کرتے تھے اس نوجوان کی ماں اس شادی کے خلاف تھی اور اپنے بیٹے کو سمجھایا کرتی تھی کہ یہ لڑکی تمھارے لائق نہیں ہے۔ وہ کہتی تھی کہ یہ ہمیشہ کمیٹی جلسوں میں جایا کرے گی اور قومی کام کیا کرے گی تمھارے گھر کا انتظام نہیں کرے گی وہ نوجوان کمزور خیال کا آدمی تھا اس پر ماں کی باتوں کا اثر پڑ گیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔
اس واقعہ سے میرا دل ٹوٹ گیا میں نہیں بیان کر سکتی کہ میں دو ہفتے تک کسقدر بیچارگی اور بے بسی کے عالم میں محسوس کرتی تھی اگر میں [illegible] کے زمانہ میں ہوتی تو میں بھی کسی خانقاہ میں چلی جاتی اور اگر [illegible] آج موجود ہوتی تو وہ میری طرح قومی کاموں میں مشغول ہو کر اس تلخ یاد کو بھلاتی۔
اسیطرح ایک اور ناول [illegible] میں ہیروئن اپنی ایک سہیلی کو لکھتی ہے، "ہماری جماعت میں اب محبت کا جذبہ بالکل نہیں ہے صرف جنسی تعلقات کی خواہش باقی رہ گئی ہے جو لوگ جنسی احتیاج کی تکمیل کے علاوہ محبت میں کچھ اور جوہر تلاش کرتے ہیں ان کو بیوقوف سمجھا جاتا ہے [illegible] سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ لڑکیوں کو عاشقانہ نظمیں لکھ کر بھیجیں یا انھیں تحفہ دینے کیلئے پھول توڑ توڑ کر جمع کریں۔ یہ کام وہ بہت ذوق شوق سے کرتے ہیں اور جنگ نے ان کے اس جذبہ کو کم کرنے کے بجائے کچھ اور زیادتی ہی پیدا کر دی ہے۔
قدیم زمانہ کا جو حال تھا اسکو دیکھتے ہوئے انقلاب کے ساتھ ساتھ رومان میں انقلاب ہونا بھی بالکل قرین قیاس تھا۔ پرانی حکومت کو معزول کرنے اور قدیم معاشرت و تہذیب کی بنیادوں کو گرا دینے کے بعد سوویٹ حکومت نوجوانوں میں اعلیٰ جذبات پیدا کرا سکتی تھی لیکن ملک کے اعلیٰ طبقوں میں ہر جگہ بدنظمی کا دور دورہ تھا، قوم کو ایک نئے راستہ پر چلانے کیلئے طرح طرح کی تدبیریں اور اسکیمیں بنائی جا رہی تھیں لیکن کسی ایک تجویز یا ایک تدبیر پر لیڈروں کو اتفاق نہ تھا ایک طرف انقلاب نو پسند کے کھڑا تھا اور دوسری طرف سٹالن اور ٹراٹسکی کے متضاد نظریوں میں رسہ کشی ہو رہی تھی۔
پنج سالہ اسکیم بننے نے روس کی اس بدنظمی کو ختم کر دیا سوویٹ انتہائی سرعت کے ساتھ روس کو صنعتی ملک بنانے میں مشغول ہو گیا، ماسکو میں ہر کام کرنیوالوں کی جو جماعت تھی اس کے ڈائرکٹر نے مجھ سے کہا، اب ہم صرف وہ گیت اور وہ نظمیں چاہتے ہیں اور پسند کرتے ہیں جو ہماری پنجسالہ اسکیم کو مدد دیں" — اسکے بعد دوسری پنجسالہ اسکیم پر عملدرآمد شروع ہوا اسکی سرعت بھی پہلی اسکیم کی طرح تھی اس زمانہ میں صرف روس کے نہیں بلکہ تمام دنیا کے شاعر اور مصنف اسی دھارے میں بہنے لگے صنعت اور زراعت کی مستحکم بنیادوں پر جماعت نے تعلیم اور فنون کی رغبت کی بھی بنیادوں کو مضبوط کر دیا اسکولوں میں تاریخ کی تعلیم پر خاص توجہ مبذول کی گئی قدیم مصنفین کی یاد پھر تازہ ہوئی اور انھیں عزت اور بقا کے رتبے حاصل ہوئے، تعلیمیافتہ جماعتوں میں سیاحتوں کا بازار گرم ہوا اور تنقید کرنے کے نئے دروازے کھلے — روسی نوجوانوں کو انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ خیالات کی درستی، معاشرتی ارتقا، فنون کی قدردانی اور ذوق نفس کا احساس پیدا ہوا، حالانکہ ان تمام احساسات پر سیاسی احساس مقدم تھا بہرحال اس احساس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکولوں کی ڈسپلن اور دیگر اداروں کی بدنظمیوں وغیرہ کے خلاف جو شکائتیں بغاوتوں کے درجہ تک پہونچ رہی تھیں انکا سد باب ہو گیا — خلاصہ یہ کہ آج کل کے نوجوان ایسی تعلیم و تربیت پا چکے ہیں اور ایسی دماغی ارتقا حاصل کر چکے ہیں جنکا ایک [illegible]